بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غلو اور تقصیر سے پاک، اندھی تقلید سے پاک، قرآن اور عترت سے تمسک کی بنیاد پر

نیا نظامِ مرجعیت

آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان

تَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ فَإِنَّهُ مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ مِنْكُمْ فِي الدِّينِ فَإِنَّهُ أَعْرَابِيٌّ

ترجمہ: دین میں تَفَقُّہ کرو، (یعنی دین کی گہری سمجھ بوجھ حاصل کرو)،
یقیناً تم میں سے جو دین میں تَفَقُّہ نہیں کرتا وہ اعرابی یعنی جاہل بدو ہے۔

(اصول کافی جلد 1، کتاب فضل العلم، باب 1 حدیث 6)

توجہ!!!

اسلامی علوم اور قرآن مجید

فقہ، اصولِ الفقہ، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر، اصولِ تفسیر، رجال، کلام، اسلامی فلسفہ، تصوف اور عرفان، یہ سب اسلامی علوم ہیں۔ یہ علوم غیر معصوم علماء نے تدوین کیئے ہیں۔ غیر معصوم سے غلطی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔

ان سب علوم میں جو باتیں قرآن مجید اور سنت قطعیہ کے مطابق ہوں گی وہی قابل قبول ہوں گی اور جو باتیں قرآن مجید اور سنت قطعیہ کے خلاف ہوں گی ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان کو رد کرنا لازم ہے۔

☆☆☆

(جملہ حقوق محفوظ)

فہرست مطالب

عناوین	صفحہ
1۔پیش لفظ	4
2۔شیعہ مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت	9
3۔آیت اللہ صادقی تہرانی	11
4۔نئے نظام مرجعیت کی ضرورت	22
5۔مومنین کے لیئے چند اہم ہدایات	24
6۔ہمارا عقیدہ	27
7۔خلاصہ مسائل تقلید	29
8۔خلاصہ مسائل خمس	40
9۔ایک اہم سوال	43
10۔خلاصہ مسائل زکوٰۃ	45
11۔ایک عجیب ستم ظریفی	47
12۔پاکستان میں ولایت فقیہ	48
13۔لبرلزم اور سیکیولرزم	53
14۔نائب امام اور حجت خدا؟	56
15۔رؤیت ہلال کا مسئلہ	63
16۔چند سوالات اور ان کے جوابات	68
17۔دعا میں آئمہ معصومین سے توسل	109
18۔دین ملا فی سبیل اللہ فساد	115
19۔مولوی سے جان چھڑانے کا طریقہ	121

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ و صلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

استادِ محترم آیت اللہ العظمٰی ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت کے بعد ان کے مقلدین کی ایک تعداد نے تقلید کے لیئے اس بندہ ناچیز کی طرف رجوع کرلیا۔ اس کی وجہ استادِ محترم رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ تحریری شہادتیں تھیں جو انہوں نے ناچیز کے لیئے تحریر فرمائی تھیں۔ ان میں سے آخری سند کا عکس اور ترجمہ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

استادِ محترم مرجعیت کے نظام میں اصلاحات کے خواہشمند تھے لیکن جبر و تشدد، ظلم و بے رحمی اور گھٹن کی جس فضا میں وہ رہ رہے تھے اس میں ان کے لیئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان کی توضیح المسائل پر پابندی لگادی گئی تھی جو دس سال تک جاری رہی۔ ان کا درسِ تفسیر قرآن جس میں وہ اندھی تقلید پر مبنی روایتی اجتہاد کا بے لاگ محاکمہ کرتے تھے، دہشت گردی کے حملے کرکے بند کردیا گیا اور خود ان کو جان سے ماردینے کی دھمکیاں دے کر خانہ نشین ہونے پر مجبور کردیا گیا۔

اب جبکہ اس سنگین ذمہ داری کا بوجھ ہمارے ناتوان کاندھوں پر آپڑا ہے تو ہم آپ کے لیئے لا رہے ہیں ایک نیا نظام مرجعیت، جس میں:

1۔ مرجع تقلید نائب امام ہونے کا دعویدار نہیں ہوگا اس لیئے کہ زمانہ غیبت کبریٰ میں کوئی نائب امام نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیئے اسی کتاب کے صفحہ 55 پر ملاحظہ فرمائیں: ''نائب امام اور حجت خدا؟'')

2۔ تقلید کے نام پر آپ پر اندھی تقلید اور کسی قسم کی شخصیت پرستی مسلط نہیں کی جائے گی۔ آپ کے سوچنے، سمجھنے، سوال کرنے، اعتراض کرنے اور تنقید کرنے کے بنیادی انسانی حق پر پابندی نہیں لگائی جائے گی بلکہ قرآن مجید اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں آپ کی علمی وفکری صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور آپ کی علمی وفکری سطح کو بلند کرنے میں آپ کو مدد اور رہنمائی فراہم کی جائے گی۔

(تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''تحقیق مسائل تقلید'')

3۔ سہم امام کے نام پر آپ سے کوئی وصولی نہیں کی جائے گی، اس لیئے کہ امام زمانہ علیہ السلام نے زمانہ غیبت میں سہم امام کی ادائیگی اپنے شیعوں کو معاف فرمادی ہے۔ (تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''مسائل خمس: قرآن وسنت کی روشنی میں'')

اگر آپ اس فکر اور پروگرام سے متفق ہیں تو اس کو مؤثر طور پر عملی جامہ پہنانے کے لیئے کسی قسم کا تعاون کرنا آپ پر واجب نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو رضاکارانہ طور پر تعاون کر سکتے ہیں۔ اجرکم علی اللہ۔

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی۔ لاہور۔

24 مئی۔ 2020 / بروز عید الفطر 1441 بعد از نماز فجر

URL: www.drhamadani.com E-mail: syedniazm@yahoo.com

Youtube: Dr.Niaz Hanadani www.drniazhamadani.blogspot.com

فقیہ وعارف قرآنی آیۃ اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی کا اجازت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پس از حمد خدای سبحان گواہی می شود کہ جناب مستطاب آیۃ اللہ دکتر سید نیاز ہمدانی کہ برمحور معارف قرآنی سالیانی متمادی سعی وکوشش خستگی ناپذیر کردہ اندواز نظر خطابہ وقلم نقش بسیار مہم اسلامی دارند، از بہترین وشائستہ ترین مربیان اسلامی می باشند وتمام جہات عقیدتی، فقہی اخلاقی وعرفانی رادارامی باشند۔ منزلت اسلا ایشان بسیار شایستہ وبایستہ پیروی است وبویژہ در تربیت عرفانی برمبنای قرآن وسنت قطعیہ آمادگی کاملی دارند۔ خدا ایشان را تحت الحفظ ویژہ خود قرار دہد وبہ مومنان توفیق تبعیت از ایشان عطا کند۔

حوزہ علمیہ قم۔ محمد صادقی تہرانی

28 ربیع الثانی 1427

استادمحترم رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے اجازت نامہ کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد کے بعد تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب مستطاب آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز ہمدانی نے مسلسل کئی سال تک
معارفِ قرآن کی بنیاد پر انتھک محنت اور کوشش سے کام کیا ہے اور تحریر وتقریر کے ذریعے اہم اسلامی کردار ادا کر رہے ہیں۔
وہ اسلامی تربیت کرنے والے بہترین اور مناسب ترین افراد میں سے ہیں اور تمام عقیدتی، فقہی، اخلاقی اور عرفانی پہلوؤں کے حامل ہیں۔
ان کی اسلامی حیثیت کی پیروی بہت مناسب اور ضروری ہے، خاص طور پر قرآن اور سنت قطعیہ کی بنیاد پر عرفانی تربیت کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خصوصی حفاظت میں رکھے اور مؤمنین کو ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

حوزہ علمیہ قم۔ محمد صادقی تہرانی۔ 28 ربیع الثانی 1427 ہجری قمری

شیعہ مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت

سب اسلامی مذاہب میں شیعہ مذہب واحد مذہب ہے جس میں اجتہاد اور تحقیق کا دروازہ کھلا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنی تحقیق اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے، اپنی اجتہادی تحقیق کو ایک طرف رکھ کر کسی اور کی تقلید کرنا اس پر حرام ہے۔ اسی طرح اس پر یہ بھی واجب ہے کہ جب کوئی اس سے حکم شرعی پوچھے تو وہ اس کو وہ بات بتائے جو دلیل کی روشنی میں اس کے لیئے ثابت ہے، یعنی اپنا فتویٰ بتائے، اپنی تحقیق کو ترک کر کے دوسروں کے فتویٰ کو بیان کرنا اس کے لیئے جائز نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر جس طرح اپنے اجتہاد کو ترک کر کے دوسروں کے فتویٰ پر عمل کرنا مجتہد کے لیئے حرام ہے اسی طرح اس پر یہ بھی حرام ہے کہ جب کوئی اس سے کوئی مسئلہ پوچھے تو اپنی تحقیق کو چھوڑ کر دوسروں کا فتویٰ بتائے۔ اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو بیان کرنے کی آزادی رکھتا ہو۔ کسی مجتہد سے اس بات پر الجھنا کہ وہ دوسرے مجتہدین کی رائے سے مختلف بات کیوں کر رہا ہے، اور اس کی تحقیق کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کسی سازش کا حصہ ہے، اس کی توضیح المسائل پر پابندی لگانا، اس کے درس کو دہشت گردی کے حملوں سے بند کرنا، اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہوگا۔ جس طرح آپ کے مرجع تقلید کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تحقیق اور اپنا فتویٰ اپنے مقلدین کے لیئے بیان کرے، اسی طرح ہر مجتہد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو بلا خوف وخطر بیان کر سکے۔ یہی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا تقاضا ہے۔

اسی ضمن میں اس نکتہ کا ذکر بھی کسی بھی بات کو سنتے ہوئے، پڑھتے ہوئے یا اس پر غور کرتے ہوئے انسان کی تین ذہنی کیفیتیں ہو سکتی ہیں:

i۔ کھلے ہوئے ذہن(Open mind)سے بات سننا۔

ii۔تنگ ذہن(Narrow mind)سے بات سننا۔

iii۔ بندذہن(Close mind)سے بات سننا۔

ان صفحات کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی آپ کی ان تین میں سے کوئی ایک ذہنی کیفیت ہوسکتی ہے۔کسی بات کو صحیح طرح سے سمجھنے کے لیئے اوراس کے بارے میں عادلانہ فیصلہ کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اسے کھلے ذہن(Open mind)کے ساتھ سنا یا پڑھا جائے۔لہٰذا اس مقالہ کا مطالعہ کرتے وقت ایک بار اپنا جائزہ ضرور لے لیں کہ آپ مندرجہ بالا تین کیفیات میں سے کس کیفیت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرر ہے ہیں۔

اس تحریر کے مندرجات کوقبول یا رد کرنا آپ کا بنیادی انسانی حق ہے۔لیکن یہ رد یا قبول تعصب کی بنیاد پر نہیں بلکہ عدل کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔یہ بات ضرور یاد رہے کہ ہم اپنے ہرعمل کے لیئے قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے۔کسی بات کو قبول کریں گے تو اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ اس بات کیوں قبول کیا اور کسی بات کو رد کریں گے تو اس کے بارے میں بھی ہم خود جواب دہ ہوں گے کہ ہم نے اسے کیوں رد کیا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کھلے دل اور دماغ کے ساتھ سوچنے ،اختلاف رائے کو برداشت کرنے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحق محمد وآل محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم

فقیہ و عارف قرآنی آیت اللہ العظمیٰ علامہ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ

آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی یکم فروردین 1305 ہجری شمسی بمطابق 21 مارچ 1928 عیسوی بروز عید نوروز تہران کے ایک علمی گھرانے میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حاج شیخ محمد رضا لسان المحققین ایران کے بہت بڑے اور آزاد منش خطیب تھے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ کو پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ یہیں سے آپ کی انقلابی سرگرمیوں کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے ہی دن جب سکول میں ترانہ ''شہنشاہِ ما زندہ باد'' پڑھا گیا تو آپ نے شہنشاہِ ما مردہ باد کہہ دیا اور معلم نے اس ننھے انقلابی کو سرزنش کر کے اسمبلی سے نکال دیا اور آئندہ اسمبلی میں آنے سے روک دیا۔ یہ کمسن انقلابی اُسی وقت سے فریضہ امر بمعروف اور نہی از منکر پر عمل کرتا اور تمام مظاہر شہنشاہی کی مخالفت کرتا تھا۔

1318 میں جب آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا تو آپ نے تیزی سے دبیرستان (سینئر ہائی سکول) کے پہلے مرحلے کو مکمل کیا اور غیر معمولی شوق اور جذبے کے ساتھ علومِ دینی کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ مدرسہ قدیم سپہ سالار تہران میں ایک سال کی مدت میں آپ نے ''جامع المقدمات''، منطق اور ادبیات کی دُوسری تمام کتابوں کو مکمل کرنے کے بعد ان کی تدریس شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ باقاعدگی کے ساتھ امام خمینی کے استاد مرحوم آیت اللہ العظمیٰ الشیخ محمد علی شاہ آبادی کے دروسِ عرفان اور آیت اللہ العظمیٰ حاج میرزا مہدی آشتیانی کے دروسِ فلسفہ میں شرکت کرنے لگے اور اسلامی فلسفہ، عرفان اور اخلاق کی گہرائیوں سے آشنا ہوئے۔

آیت اللہ شاہ آبادی کے درس کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ ان کے درس پر قرآنی رنگ غالب تھا۔ وہ اپنے اخلاقی، فلسفی اور عرفانی مباحث کی بنیاد

قرآنی آیت پر رکھتے تھے اور قرآن مجید کی روشنی میں ہی ان پر بحث کرتے تھے۔ اس درس میں ایک ایسی روحانی فضا حاکم تھی جو کسی اور درس میں نہ تھی۔ آیت اللہ صادقی کی عمامہ پوشی بھی آیت اللہ شاہ آبادی نے اپنے ہاتھ سے کی۔

1320 ہجری شمسی میں جب آیت اللہ صادقی کی عمر 15 سال تھی، آپ دینی علوم کی تکمیل کیلیئے قم تشریف لے گئے۔ قم میں حصول علم کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ کوشش کرتے تھے کہ ہفتہ وار تعطیل کے موقع پر ضرور تہران جائیں تا کہ آیت اللہ شاہ آبادی کے ہفتہ وار درس میں شرکت کر سکیں۔ کچھ عرصہ تو یہ سلسلہ جاری رہا لیکن بعد میں قم میں علمی مصروفیات کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری رکھنا مشکل ہو گیا تو آپ نے قم میں ہی آیت اللہ شاہ آبادی کے متبادل کی جستجو شروع کر دی۔ اسی جستجو کے نتیجہ میں آپ امام خمینی سے آشنا ہوئے اور ان کے دروس فلسفہ و عرفان میں شرکت کرنے لگے۔ امام خمینی پیار سے انہیں شاہ آبادی کوچک کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں چھوٹا شاہ آبادی۔ 1323 میں جب آیت اللہ سید حسین بروجردی حوزہ علمیہ قم میں تشریف لائے تو آیت اللہ صادقی نے ان کے دروس میں شرکت کرنا شروع کر دی۔

مختصر یہ کہ قم میں دس سال تک مختلف اسلامی موضوعات پر حوزہ کے بزرگ علماء کے دروس میں شرکت کی اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔

فلسفہ و عرفان کی تعلیم مرحوم آیت اللہ علامہ طباطبائی، آیت اللہ میرزا مہدی آشتیانی جیسے جلیل القدر اساتذہ سے حاصل کی۔ فقہ و اصول میں آیت اللہ مرحوم سیّد محمد تقی خوانساری، مرحوم حاج سیّد محمد داماد، محقق یزدی مرحوم، حاج شیخ محمد علی کرمانی، مرحوم حاج سیّد احمد خوانساری اور مرحوم سیّد محمد حجت کوہِ کمری جیسے اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔

یہ نقطہ قابل توجہ ہے کہ اس تمام عرصہ میں جبکہ آپ اصول و فقہ، منطق و فلسفہ اور عرفان میں گزشتہ نصف صدی کے نامور اساتذہ سے علم حاصل کر رہے

تھے، آپ کی تمام علمی سرگرمیوں کا محور قرآن شریف تھا اور ان علوم میں اجتہاد کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وقت آنے پر تمام علوم کے قرآن کے ساتھ اختلاف کو بے نقاب کر کے علماء سے جواب طلبی کی جا سکے اور تمام علوم اور علماء کے قرآن سے انحرافات کے خلاف جہاد کیا جائے۔ آپ کی تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر ''الفرقان'' اور دُوسری تصانیف جن کی تعداد 60 سے متجاوز ہے، اس مدعا کی بہترین گواہ ہیں۔ درحقیقت آپ نے تمام علومِ اسلامی میں ایک جدید مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی ہے، ایک ایسا مکتبِ فکر جسے صحیح تسلیم کرنے کے باوجود سب اس سے دُور ہیں اور وہ ''مکتبِ علوم و معارفِ قرآن'' ہے۔

آپ تن تنہا ایک چلتا پھرتا مدرسہ اور حوزہ علمیہ تھے۔ قم میں طالب علمی کے دس سالہ دَور میں اور اس کے بعد تہران میں دس سال قیام کے دوران ہر مقام پر علمی اور سیاسی جہاد میں مصروف رہے۔

حوزہ علمیہ قم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب آپ تہران گئے تو آیت اللہ کاشانی کے مشورے پر آپ نے ٹیچنگ کا امتحان دیا جس میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے اور تہران کے مدرسہ سپاہ سالار میں استاد کے طور کام شروع کر دیا۔ اسی دوران آپ نے تہران یونیورسٹی سے علوم قضائی، علوم تربیتی، تبلیغ اور فقہ میں ایم اے کے امتحان پاس کیئے اور ان چار مضامین میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد آیت اللہ بروجردی کے کہنے پر آپ نے تہران یونیورسٹی میں بطور استاد کام شروع کر دیا۔ اسی دوران آپ نے تہران یونیورسٹی سے الٰہیات میں پی ایچ ڈی (Ph.D) کی ڈگری لی۔ آپ کی کتاب ''زمین و آسمان و ستارگان از نظر قرآن'' اصل میں آپ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔

سیاسی محاذ پر آپ نے آیت اللہ کاشانی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر بھی شاہ کے خلاف جہاد میں سرگرمِ عمل رہے۔ اس کے بعد شاہ کے شر سے محفوظ رہنے اور انقلابِ اسلامی کی پیش رفت کے لیئے 17 سال ہجرت کے دوران، جس میں دس سال نجفِ اشرف، پانچ سال بیروت اور دو سال مکہ مکرمہ میں رہے، آپ علمی اور

سیاسی انقلاب کی پیش رفت کیلیئے جہاد میں مصروف رہے۔ چودہ سال کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک آپ کی سیاسی اور علمی سرگرمیوں کا اصلی مرکز اور محور قرآن شریف رہا ہے۔

1341 (1962) میں جب آپ تہران میں تبلیغ اور تالیف کے علاوہ تہران یونیورسٹی میں الٰہیات کے اُستاد بھی تھے، مرحوم آیت اللہ بروجردی کی پہلی برسی کی مناسبت سے قم کی مسجدِ اعظم میں ایک عظیم الشان مجلس میں آپ کو تقریر کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس سے تقریباً ایک ماہ قبل شاہ نے قم میں ایک تقریر کی تھی جس میں اُس نے علماء کی بہت توہین کی اور کسی نے بھی اُس کے خلاف آواز اُٹھانے اور مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کی۔ تقریر کیلیئے مسجدِ اعظم میں جانے سے قبل آپ نے امام خمینیؒ سے ملاقات کی اور اُن سے کہا کہ میں صرف تقریر کرنے ہی نہیں بلکہ شاہ کی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کا جواب دینے کے ارادہ سے قم سے آیا ہوں۔ امام خمینیؒ نے جواب میں کہا: ''ما در انتظار چنین مردی بودیم''، یعنی ''ہم ایسے ہی مرد کے منتظر تھے''۔

پولیس کے نہایت سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود مجلس بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوئی اور ایرانی شاہی استبداد اور ظالمانہ گھٹن کی فضا میں شاہ کے خلاف پہلی بار ایک آواز اُٹھی۔ یہ آواز حضرت آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی مدظلہٗ کی تھی۔ آپ نے اس مجلس میں اپنی تقریر میں شاہ کے ظلم وستم اور اس کی امریکہ و اسرائیل نواز پالیسیوں پر سخت تنقید کی۔ یہ تقریر درحقیقت شاہ کے خلاف ایک زوردار دھماکہ تھا۔

مجلس کے بعد امام خمینیؒ خفیہ طور پر آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ تین دن تک وہاں روپوش رہنے کے بعد آپ نے امام خمینیؒ سے سیاہ عمامہ لے کر سر پر رکھا اور رُوپ تبدیل کر کے رات کی تاریکی میں امام خمینیؒ کے گھر کو چھوڑ دیا اور پھر کچھ عرصہ تک مخفی رہنے کے بعد مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر منظر عام پر آئے۔

آپ نے حرمین شریفین میں فصیح وبلیغ عربی زبان میں شاہ کے خلاف تقاریر کیں۔ سات ذی الحجہ کی رات کو عمرہ کی ادائیگی کے بعد اور فریضہ حج کی

ادائیگی سے قبل آپ کو سعودی پولیس نے گرفتار کرلیا اور آپ نے مناسکِ حج کو پولیس کے پہرہ میں انجام دیا اور آخر کار مختلف اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے چالیس علماء، جن میں آیت اللہ سیّد محسن حکیم طباطبائی رضوان اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند آیت اللہ یوسف حکیم اور علامہ مرتضیٰ عسکری بھی شامل تھے، کے مسجد الحرام میں احتجاج کے بعد آپ رہا کردیئے گئے۔

رہائی پانے کے بعد آپ نجفِ اشرف چلے گئے جہاں آپ دس برس تک علمی اور انقلابی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور جب عراق کی حکومت نے ایرانیوں کو عراق سے نکالنا شروع کیا تو آپ کو بھی عراق چھوڑنا پڑا۔اس دفعہ آپ کی میزبانی کا شرف بیروت کو حاصل ہوا جہاں آپ نے پانچ سال تک اپنی علمی اور انقلابی سرگرمیوں کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ جاری رکھا۔

جب لبنان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو آپ نے سرزمین وحی و رسالت کا رُخ کیا اور مکہ مکرمہ آ گئے اور دو سال تک وہاں انتہائی حیرت انگیز طور پر سرگرمِ عمل رہے۔ یہاں آپ کو مختلف اسلامی ممالک سے حج اور عمرہ کیلیئے آنے والی علمی اور سیاسی شخصیات سے ملنے کا موقع ملا اور آپ نے انقلاب کا پیغام دُنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچانے کیلیئے اس فرصت سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

1357 میں سترہ سال کے بعد ایک بار پھر آپ کو حالتِ احرام میں گرفتار کرلیا گیا۔ چودہ دن تک مکہ، مدینہ اور جدہ کی جیلوں میں رکھنے کے بعد آپ کو حجاز سے نکال دیا گیا۔آپ پھر بیروت آ گئے۔ یہ وہ دَور تھا جب امام خمینیؒ عراق کو چھوڑ کر پیرس میں سکونت پذیر تھے۔آپ امام خمینیؒ سے ملنے کیلیئے پیرس چلے گئے۔امام خمینیؒ سے ملاقات کے بعد آپ پھر بیروت آ گئے جہاں سے آپ نے خشکی کے راستے ایران کی طرف سفر کا آغاز کیا۔اسلامی انقلاب کا میابی سے ہمکنار

ہو چکا تھا۔آپ تہران آ کرامام خمینیؒ کے انقلابی ساتھیوں کے ساتھ آ ملے۔

شاہ، ایران سے فرار ہو چکا تھا اور وزیر اعظم شہ پور بختیار کی حکومت بھی ناکام ہو چکی تھی۔عوام انقلابی رہنماؤں کی سر کردگی میں فوجی چھاؤنیوں پر قبضہ کررہے تھے۔ان میں دو چھاؤنیاں حضرت آیت اللہ صادقی مدظلہٗ کی سر کردگی میں فتح ہوئیں جن میں سے ایک ''پادگان جے'' تھی۔

مختصر یہ کہ آپ نے ساری زندگی علومِ قرآن پر تحقیق اور جہاد فی سبیل اللہ میں گزاری اور چونکہ آپ کی نظر میں قرآن شریف کی روشنی میں اسلام کی تعلیم اور تبلیغ کو اوّلیت حاصل ہے، لہٰذا انقلاب کی کامیابی کے بعد آپ سیاست سے الگ ہو کر صرف تحقیق اور تدریس میں مشغول ہو گئے اور شیعہ مذہب کی تاریخ میں آپ کی ''توضیح المسائل''، ہی پہلی توضیح المسائل ہے جس میں فتاویٰ کو بیان کرنے کے ساتھ قرآن وسنت میں موجود اُن کے دلائل کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے اور چونکہ آپ قرآن وسنت کے مقابلہ میں شہرت و اجماع کو نظر انداز کر دیتے ہیں، لہٰذا آپ کے فتاویٰ دُوسرے فقہاء کے فتاویٰ سے قدرے مختلف ہیں جس پر وہ کوتاہ بین افراد، جو عقل وشعور کو تالا لگا کر چابی دُور پھینک دینے اور لکیر کے فقیر بنے رہنے کو ہی عین اسلام قرار دیتے ہیں، آپ کی مخالفت کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں اور ان میں کسی نے آج تک آپ کے کسی فتویٰ یا نظریہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں غلط ثابت کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، اس لیئے کہ ایسی کوشش کے لاحاصل ہونے کا خود اُنہیں بھی علم ہے۔

بعض اوقات بعض لوگ آپ سے یہ کہتے تھے کہ آپ کیسے اتنی جرأت کرتے ہیں کہ اجماع اور شہرت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔تو آپ جواب دیتے تھے کہ جرأت مند تو وہ لوگ ہیں جو اجماع اور شہرت کی پابندی کرتے ہوئے قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔

آیت اللہ صادقی کی مظلومیت:

آیت اللہ العظمٰی ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی نے ساری زندگی مظلومیت میں گزاری اور مظلومیت کی حالت میں وفات پائی۔ انقلاب سے پہلے شاہ کے دور میں ایران میں مظلوم رہے۔ بعد از آں جلاوطنی کے دور میں کبھی عراق میں اور کبھی سعودی عرب میں مظلومیت کے عالم میں وقت گزارا اور انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران میں بھی مظلومیت کی زندگی گزاری۔ بدقسمتی سے مظلومیت کا آخری دور جو اسلامی جمہوریہ ایران میں تھا، سب سے زیادہ دردناک اور شدید تھا۔ آپ کی قرآنی فکر سے خائف اندھی تقلید کے پجاری مقتدر حلقوں کے لیئے آپ کا درس تفسیر قرآن قابل برداشت نہ تھا۔ وہ اس درس کی راہ میں قسم قسم کے روڑے اٹکاتے تھے۔ مگر استاد محترم نے تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود درس کو جاری رکھا۔ آخر کار روشنی سے خائف اندھیرے کے پجاریوں نے اپنی ہمیشہ کی روایت کے مطابق تشدد کا حربہ استعمال کیا اور غنڈوں سے درس پر حملہ کروا دیا۔

استاد محترم آیت اللہ العظمٰی ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ قم میں حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع مسجد امام رضا علیہ السلام میں درس تفسیر قرآن دیا کرتے تھے۔ سوا دس سے گیارہ بجے تک فارسی میں اور سوا گیارہ سے بارہ بجے تک عربی میں درس ہوا کرتا تھا۔

22 ستمبر 1987 کو تقریباً ساڑھے دس بجے، جب کہ فارسی میں درس شروع ہوئے بمشکل پندرہ منٹ گزرے ہوں گے، ستّر، اسّی کے لگ بھگ پاکستانی طالب علم نما غنڈوں نے درس پر حملہ کر دیا۔ اس دہشت گرد گروہ کا تعلق تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) سے تھا اور اس حملے کی قیادت راجہ ناصر نامی ایک شخص کر رہا تھا جو آج کل پاکستان میں مجلس وحدت مسلمین کے نام سے فرقہ وارانہ سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس حملے میں درس میں شریک طالب علموں کو زدوکوب کیا گیا، ان میں سے بعض کو زخمی اور مجروح کر دیا گیا جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ حملے کے دوران قرآن مجید کے نسخے حملہ آوروں

کے پیروں تلے روندے گئے، طالب علموں کے خون سے مسجد کو آلودہ کیا گیا اور بے ہودہ نعرہ بازی اور دہشت گردی کی اس کاروائی سے مسجد کے تقدس کو بھی پامال کیا گیا۔ راقم اور کچھ ایرانی دوستوں نے جو اس درس میں شریک تھے اس واقعہ کی رپورٹ قم کے پولیس سٹیشن میں درج کروائی۔ بعد ازآن پانچ ماہ تک علماء کی خصوصی عدالت (دادگاہ ویژہ روحانیت) میں مقدمہ کی کاروائی چلی۔ چونکہ مجرموں کو حوزہ علمیہ کی انتظامیہ کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی، فروری 1988 میں عدالت نے کوئی فیصلہ سنائے بغیر مقدمہ ختم کردیا۔ عدالت کے اس غیر منصفانہ رویے کی اطلاع راقم نے ایک خط کے ذریعے اس وقت کے ایران کے چیف جسٹس آیت اللہ سید عبدالکریم موسوی اردبیلی کو دی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

استاد محترم آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگردوں نے اس حملے سے مرعوب ہوئے بغیر درس کا سلسلہ جاری رکھا اور اسی دن سوا گیارہ سے بارہ بجے تک عربی زبان میں درس تفسیر قرآن اپنے معمول کے پروگرام کے مطابق ہوا اور درس کا سلسلہ جاری رہا۔ فرق پڑا تو صرف اتنا کہ درس میں شرکت کرنے والے طالب علموں کی تعداد کچھ کم ہوگئی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فلسطین اور دنیا کے دوسرے علاقوں سے تعلق رکھنے والے مظلوموں کے غم میں سوکھ سوکھ کر کانٹا بن جانے والی ولی فقیہ کی اسلامی حکومت اس حملے کے بعد اس معلم قرآن کو تحفظ فراہم کرتی لیکن ای بسا آرزو کہ خاک شد۔ کچھ عرصہ بعد 12 جنوری 1991 کو، ایک بار پھر آپ کے درس قرآن پر دہشت گردی کا حملہ ہوا۔ اس بار حملہ کرنے والے ایرانی تھے۔ اس بار پولیس نے رپورٹ بھی درج نہیں کی اور استاد محترم کو ٹیلیفون پر کہا گیا کہ پہلے بھی آپ کے درس پر حملے کے ذریعے آپ کو ایک پیغام دیا گیا تھا مگر آپ نے اسے نظر انداز کردیا۔ اب اس حملے کے ذریعے دوبارہ آپ کو پیغام دیا جارہا ہے۔ اگر اب بھی آپ نے درس جاری رکھا تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔

اس طرح حوزہ علمیہ قم کی انتظامیہ اور ولی فقیہ کی حکومت کی سر پرستی میں تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے تفسیر قرآن کا یہ درس صرف اس لیئے بند کر دیا گیا کہ اس درس میں قرآن حکیم کی روشنی میں، اندھی تقلید پر مبنی روایتی مذہبی سوچ کا محاکمہ کیا جاتا تھا جو اندھی تقلید کے تاجروں کے لیئے قابل تحمل نہیں تھا۔

استاد محترم نے اس کے بعد اپنے گھر میں درس دینا شروع کر دیا۔درس قرآن کے لیئے ان کے گھر جانے والے طالب علموں کو بھی ہراساں کرنا شروع کر دیا گیا۔جس پر آہستہ آہستہ درس کے شرکاء کی تعداد بہت کم رہ گئی اور وہ بھی باقاعدگی سے شرکت نہ کر سکتے تھے۔اس طرح گھر میں بھی درس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور استاد محترم نے اپنی ساری توجہ اور توانائی تصنیف و تالیف پر مرکوز کر دی۔

آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کی مخالفت کی وجہ:

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت اللہ صادقی کی مخالفت کیوں ہوتی تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت اللہ صادقی اس بات کے قائل تھے کہ قرآن مجید کو حوزہ علمیہ میں وہ مقام نہیں دیا جاتا جو اس کا حق ہے۔جس کے نتیجہ میں اسلامی علوم و معارف اور قرآنی علوم و معارف میں بہت فاصلہ پایا جاتا ہے۔آپ تمام اسلامی علوم میں قرآن مجید کی بنیاد پر نظر ثانی کا کام کر رہے تھے۔خاص طور پر آپ فقہاء کے خلاف قرآن فتاویٰ کی نشاندہی کر کے ان پر نہایت بے رحمی سے تنقید کرتے تھے۔آپ کے افکار و نظریات اور آپ کی بے رحمانہ تنقید روایتی سوچ کے حامل لکیر کے فقیر علماء کے لیئے قابل برداشت نہ تھی۔خاص طور پر آپ کے یہ دو نظریات روایتی علماء اور حوزہ علمیہ کے لیئے ناقابل برداشت تھے :

☆ اسلام میں اندھی تقلید کی گنجائش نہیں ہے۔لہٰذا علماء پر لازم ہے کہ وہ عوام سے اپنی اندھی تقلید نہ کروائیں بلکہ قرآن شریف اور سنت معصومین کی روشنی میں عوام کی علمی اور فکری سطح کو بھی بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔عوام پر بھی فرض ہے کہ وہ علماء سے صرف فتویٰ طلب نہ کریں بلکہ ان سے مطالبہ کریں کے وہ

اپنے فتویٰ کی قرآن وسنت کی روشنی میں تشریح بھی کریں۔

☆ خمس کی رقم مجتہدین کو دینا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی خمس کی رقم خرچ کرنے کے لیئے کسی مجتہد کی اجازت کی ضرورت ہے۔اگر آپ پر خمس واجب ہے اور آپ میں یہ صلاحیت ہے کہ آپ اسے اسلامی احکام کے مطابق خرچ کر سکیں تو آپ کسی سے اجازت لیئے بغیر خمس کی رقم خود خرچ کر سکتے ہیں۔

آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کی تالیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے جن میں آپ کی تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر" الفرقان" بر سر فہرست ہے۔ جب اس تفسیر کی پہلی چند جلدیں شائع ہوئیں اور آپ نے اس کے چند نسخے اپنے استاد آیت اللہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی کو بھیجے تو انہوں نے آیت اللہ صادقی کو شکریہ کا جوابی خط لکھا جس میں انہوں نے فرمایا کہ:"یہ تفسیر ہماری آنکھوں کی روشنی اور ہمارا سرمایہ افتخار ہے۔جب تک آپ اس تفسیر کو مکمل نہیں کر لیتے اپنی ساری کوشش اور توجہ اسی کام پر مرکوز رکھیں"۔

الفرقان کے علاوہ آپ کی تالیفات میں تیس جلدوں پر مشتمل موضوعی تفسیر نہایت قابل ذکر ہے۔آپ کی چند اور چیدہ چیدہ تالیفات کے نام یہ ہیں:

البلاغ فی تفسیر القرآن۔عقائدنا۔رسول الاسلام فی الکتب السماویہ۔ البشارات و المقارنات۔ علی والحاکمون۔ اصول الاستنباط۔ تبصرۃ الفقھاء۔ الحوار بین المادیین والھیین۔ علی والحاکمون۔ تبصرۃ الفقھاء۔ الفقھاء بین الکتاب والسنۃ۔

فارسی میں آپ کی چیدہ چیدہ کتب کے نام یہ ہیں: ترجمان فرقان۔(یہ تفسیر الفرقان کا فارسی زبان میں خلاصہ ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے)۔رسالہ توضیح المسائل نوین۔(یہ شیعہ فقہ کی تاریخ میں پہلا رسالہ توضیح المسائل ہے جس میں صرف فتاویٰ بیان نہیں کیئے گئے بلکہ قرآن مجید اور احادیث معصومین کی روشنی میں فتاویٰ کی مختصر تشریح بھی کی گئی ہے۔لیکن اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت نے اس کتاب پر پابندی لگادی۔تقریباً آٹھ سال کے بعد جب ڈاکٹر محمد خاتمی ایران کے

صدر بنے اور انھوں نے بہت سی بے جا پابندیوں کا خاتمہ کیا تو اس کتاب سے بھی پابندی اٹھالی گئی۔)
بشارات عہدین۔ ماتریالیسم ومتافزیک۔ستارگان (یہ کتاب آیت اللہ صادقی کے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے)۔آیات رحمانی (یہ کتاب سلمانی رشدی کی کتاب آیات شیطانی کے جواب میں لکھی گئی۔) فقہ گویا۔اسرار حج۔تاریخ اندیشہ وتمدن۔نماز وروزہ مسافران۔

فارسی زبان میں آپ کا ترجمہ قرآن جوترجمان وحی کے نام سے شائع ہوا ہے فارسی زبان میں قرآن مجید کا سب سے مستند اور معتبر ترجمہ ہے۔اس کے پہلے ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد استاد محترم نے دوسرا ایڈیشن شائع کرنے سے پہلے بیس بار اس میں نظر ثانی کی۔

مظلومیت کے عالم میں وفات:

اسلامی جمہوریہ ایران میں، ولی فقیہ کی حکومت میں حق وصداقت کی راہ میں انتہائی مظلومیت کے عالم میں زندگی گزارنے کے بعد یکم فروردین 1390 یعنی 21 مارچ 2011 کو 85 سال کی عمر میں آپ اس دار فانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔

آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا میں دفن کیا جائے۔آپ کے ورثا نے سب تقاضے بھی پورے کر دیئے لیکن آپ کو حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی گئی جس کی وجوہات یقینا سیاسی تھیں۔آپ کو قم کے قبرستان باغ بہشت میں دفن کیا گیا۔آپ کے ورثاء نے چاہا کہ آپ کے چالیسویں کی مجلس قم کی مسجد اعظم میں منعقد کی جائے، جہاں آیت اللہ العظمٰی بروجردی کی پہلی برسی کی مجلس میں آپ کی تقریر سے شاہ کے خلاف تحریک نے ایک اہم موڑ لیا تھا۔لیکن مسجد اعظم کی انتظامیہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

سلام علیہ یوم ولد ویوم مات ویوم یبعث حیا

نئے نظام مرجعیت کی ضرورت؟

ایک سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ روایتی نظام مرجعیت کے نقائص کیا ہیں اور نئے نظام مرجعیت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

اس سوال کا جواب تفصیل سے دیا جائے تو ایک مفصل رسالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔لیکن اس مقام پر اس کی ضرورت نہیں ہے۔سردست اتنا کہنا کافی ہے کہ:

1۔ روایتی نظام مرجعیت جمود کا شکار ہو چکا ہے،فقہاء کی سوچ اجتہادی اور تحقیقی ہونے کی بجائے تقلیدی ہو چکی ہے،فقہاء دور حاضر کے تقاضوں اور مسائل کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرنے کی بجائے ہزار سال پہلے کے فقہاء کے فتاویٰ کی جگالی کرنے میں مصروف ہیں۔ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے،جس کی وجہ سے بہت سے مسائل نہ صرف یہ کہ حل نہیں ہو رہے بلکہ ان میں پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں اور لوگوں کے مسائل حل ہونے کی بجائے ان کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

2۔ مرجع تقلید کو نائب امام قرار دے دیا گیا ہے اور ہر شخص اپنے مرجع تقلید کو نائب امام سمجھنے لگ گیا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ تقلید ایک قسم کی شخصیت پرستی میں بدل چکی ہے اور مرجعیت ایک قسم کی پاپائیت کا روپ دھار چکی ہے۔ عام مؤمنین کی فکر پر پہرے لگا دیئے گئے ہیں اور ان کو سوچنے سمجھنے،سوال کرنے اور تنقید اور اعتراض کرنے کے حق سے محروم کر کے اس بات پر لگا دیا گیا ہے کہ جس کو مرجع مان لیا اب اس کے فتویٰ کو اللہ کا حکم مان کر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لو،کسی قسم کے سوال و جواب اور چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے،بس گونگے، بہرے اور اندھے بن کر اندھی تقلید پر لگے رہو۔ یہ ایک بہت تلخ حقیقت ہے کہ روایتی نظام مرجعیت اس آیت کی عملی تصویر بن چکا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: ان لوگوں (یعنی یہود و نصاریٰ) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور روحانی پیشواؤں کو اپنا رب بنالیا۔ (توبہ:34)

امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

ان کے علماء اور روحانی پیشواؤں نے کبھی انہیں نہیں کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کریں، وہ ایسا کہتے بھی تو لوگ ان کی بات نہ مانتے، لیکن انہوں نے اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنادیا، اور لوگوں نے ان کی بات مان لی، اس طرح وہ نادانستہ طور پر اپنے علماء اور روحانی پیشواؤں کی عبادت کرنے لگے۔

(کافی جلد 1، کتاب فضل العلم، باب تقلید حدیث 1)

3۔ جب سے مرجعیت نے اقتدار کی سیاست میں قدم رکھا ہے اس کے اندر اخلاقی، مالی اور سیاسی کرپشن بھی بری طرح سے جڑیں پھیلا چکی ہے۔ دین سیاست کے تابع کردیا گیا ہے اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک ایسے شخص کو فقیہ اور مرجع بنا کر عوام پر مسلط کردیا گیا جس نے خود اعتراف کیا وہ مجتہد نہیں ہے۔

4۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ روایتی نظام اجتہاد کی بنیاد شہرت اور اجماع ہے۔ اس میں قرآن مجید کو کوئی اہمیت اور مقام حاصل نہیں ہے۔ روایتی نظام اجتہاد میں فقہاء کے بہت سے فتاویٰ واضح طور پر قرانی آیات کے خلاف ہیں۔ استاد محترم آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب '' الفقهاء بين الكتاب والسنه '' میں شیعہ سنی دونوں فرقوں کے فقہاء کے بہت سے خلاف قرآن فتاویٰ کی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا رسالہ ''فقہاء قران کی عدالت میں'' جلد آپ کی دسترس میں ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے اہل فکر ونظر افراد ایسے ہیں جو روایتی نظام مرجعیت کی ان نارسائیوں اور کوتاہیوں سے واقف ہیں لیکن ان کے پاس

کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔اس کمی اور خلا کو پورا کرنے کے لیئے نئے نظام مرجعیت کو سامنے لایا جارہا ہے۔

☆☆☆

مومنین کے لئے چند اہم ہدایات

نئے نظام مرجعیت سے وابستہ ہونے والے مؤمنین ومومنات مندرجہ ذیل ہدایات کو خاص طور پر پیش نظر رکھیں گے:

1۔ دین داری کی دو قسمیں ہیں: تقویٰ پر مبنی دین داری اور فتویٰ پر مبنی دین داری۔ان دونوں میں سے بنیادی اور اصل اہمیت تقویٰ کی ہے۔اگر ہم اپنی دین داری کی بنیاد تقویٰ پر رکھیں تو بہت سے مقامات پر ہمیں فتویٰ کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اس لیئے کہ تقویٰ کا نور بہت سے مقامات پر ہمیں فتویٰ سے بے نیاز کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال:29)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے لیئے فرقان (یعنی حق اور باطل کا فرق جاننے کی بصیرت) مہیا کر دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (حدید:28)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے معاملہ میں تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیئے ایک نور مہیا فرمادے گا جس کے ساتھ تم چلو گے اور وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ترجمہ: اور تم تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تمہیں علم عطا کر دے گا۔ (بقرہ:282)

2۔ نئے نظام مرجعیت سے وابستہ ہو جانے کے بعد روایتی نظام مرجعیت سے وابستہ افراد اور مولوی صاحبان کی طرف سے آپ پر بہت تنقید کی جائے گی اور آپ کو بہت شدید مخالفت، بدتمیزی اور بداخلاقی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔آپ نے کسی کی بدتمیزی کا جواب بدتمیزی سے نہیں دینا، کسی کی بداخلاقی کے جواب میں کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کرنی، کسی کے گالی گلوچ اور بے ہودہ الزامات کے جوابات میں گالی گلوچ اور الزام تراشی کا رویہ اختیار نہیں کرنا۔ان سب باتوں کے جواب میں آپ کو سورۂ فرقان کی اس آیت پر عمل کرنا ہے: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (فرقان:63)

ترجمہ: اور جب جاہل ان کے منہ لگتے ہیں تو وہ (ان سے الجھتے نہیں بلکہ) انہیں سلامتی کی دعا دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اس بات کو ہمیشہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ بنیادی طور پر اسلام اخلاقیات کا دین ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مسلمانوں کے سب مکاتب فکر کے ہاں تسلیم شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ترجمہ: میری بعثت کا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل کرنا ہے۔

3۔ اپنے ایمان، تقویٰ اور اخلاق کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کے لیئے اور اندھی تقلید سے نجات حاصل کرنے کے لیئے ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ قرآن شریف کا پابندی کے ساتھ مطالعہ کرے۔اس کے ساتھ نہج البلاغہ، خاص طور پر خطبہ نمبر 1، خطبہ ہمام، جو متقین کی صفات پر مشتمل ہے اور علامہ مفتی جعفر حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے ترجمہ کے مطابق خطبہ نمبر 191 ہے، مکتوب 31، مکتوب 47 اور مکتوب 69، صحیفہ کاملہ، خاص طور پر دعائے مکارم الاخلاق، دعائے عرفہ اور صبح و شام کی دعا کا بہت غور اور توجہ سے باقاعدگی کے ساتھ مطالعہ کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام کی مناجات شعبانیہ علم و معرفت کا ایک خزانہ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ایک خوبصورت وسیلہ ہے، اس مناجات سے اپنے دل اور اپنی زندگی کو منور کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں اور اس کی تلاوت کو ماہ شعبان تک محدود نہ رکھیں۔

شبہائے جمعہ میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت وارث پڑھنے کا حتی الامکان اہتمام کریں۔ یہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے توسل کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ محمد و آل محمد پر کثرت سے صلوات پڑھیں، یہ محمد و آل محمد سے بہترین توسل، گناہوں کی معافی اور نورانیت قلب کا بہترین وسیلہ ہے۔

4۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ جزئی اختلافات کی وجہ سے برادران مومن کے خلاف کسی قسم کا کینہ اور بغض دل میں پیدا نہ ہو۔ ہر وہ شخص جو ولایت محمد و آل محمد سے وابستہ ہے اس سے محبت لازم ہے۔ اس لیئے کہ ہم زیارت عاشوراء میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے یہ عہد کر چکے ہیں اور جب بھی یہ زیارت پڑھتے ہیں اس عہد کی تجدید کرتے ہیں کہ:

انی سلم لمن سالمکم وحرب لمن حاربکم وولی لمن والاکم وعدو لمن عاداکم

ترجمہ: جو آپ کے ساتھ صلح رکھتا ہے میری اس کے ساتھ صلح ہے اور جو آپ کے ساتھ جنگ کرے میرے اس کے ساتھ جنگ ہے،

جو آپ سے محبت اور ولایت رکھتا ہے میں اس کا دوست اور ولی ہوں اور جو آپ کا دشمن ہے میں اس کا دشمن ہوں۔

امام حسین علیہ السلام سے کیئے ہوئے اس عہد کے مطابق ہم پر فرض ہے کہ ہم ہر اس شخص سے صلح اور محبت سے پیش آئیں جو امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت رسول سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

☆☆☆

ہمارا عقیدہ

☆ اللہ میرا رب ہے، وہ احد اور صمد ہے، اس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ کسی نے اس کو جنم دیا، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، وہی معبود ہے، اس کی کوئی مثل اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی ذات، سب صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کے عیب و نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں، وہی دنیا اور آخرت کا حقیقی مالک اور حاکم ہے۔ ہماری زندگی موت، صحت بیماری، خوشحالی بدحالی، تنگی وسعت، عزت ذلت، نفع نقصان، دنیا اور آخرت صرف اور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے، کسی اور کا ان امور میں ذرے کے برابر بھی کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کامل ترین بندے اور آخری رسول ہیں، ان کے بعد کوئی رسول نہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی۔ اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے، یہ کتاب ہر قسم کی تحریف سے محفوظ اور قیامت تک سب انسانوں کے سب معاملات میں ان کی ہادی اور رہنما ہے۔ ہر وہ نظریہ، ہر وہ فتویٰ، ہر وہ عقیدہ، ہر وہ حدیث، مختصر یہ کہ ہر وہ بات جو قرآن کے خلاف ہو باطل ہے۔

☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب، پھر امام حسن ابن علی، پھر امام حسین ابن علی، پھر امام علی ابن الحسین زین العابدین، پھر امام محمد باقر، پھر امام جعفر صادق، پھر امام موسیٰ کاظم، پھر امام علی رضا، پھر امام محمد تقی، پھر امام علی نقی، پھر امام حسن عسکری اور پھر امام عصر امام زمانہ حضرت حجت ابن الحسن سلام اللہ علیہم اجمعین، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کامل ترین بندے ہیں اور اس کی طرف سے مقرر کردہ معصوم امام اور ہادی ہیں۔ حضرت فاطمۃ

الزہراء سلام اللہ علیہا معصومہ ہیں، فرمان رسول کے مطابق ان کی رضا اللہ کی رضا اور ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے۔ یہ چودہ معصوم قیامت کے دن باذن اللہ ہمارے شفیع ہیں۔ ان سے تولیٰ اور ان کے دشمنوں سے تبریٰ واجب ہے۔ ان کے راستے پر چلنے اور ان کی پیروی کرنے کا نام تولیٰ اور ان کے دشمنوں کے راستے سے دوری اختیار کرنے کا نام تبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں ان کی اطاعت اور آخرت میں ان کی شفاعت نصیب فرمائے۔

☆ بارہوں امام حضرت حجت ابن الحسن صلوات اللہ وسلامہ علیہ پانچ سال کی عمر میں مسند امامت پر متمکن ہوئے اور ستر سال غیبت صغریٰ میں رہے۔ ستر سال کے بعد ان کی غیبت کبریٰ شروع ہوگئی جو ابھی تک جاری ہے، جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا تقاضا ہوگا آپ اللہ کے اذن سے ظہور فرمائیں گے اور اس دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم اور بے انصافی سے بھر چکی ہوگی۔

☆ قیامت برحق ہے، ہم سب قیامت کے دن اپنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے بارے میں عدل اور رحمت کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اہل ایمان جنت میں جائیں گے اور گمراہوں اور نافرمانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ پر قائم رکھے، اسی پر موت دے اور اسی پر محشور فرمائے۔

مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہمارے مختصر رسالے ''شیعہ کون؟'' اور ''کافر کون؟''۔ ان کی پی ڈی ایف ہماری ویب سائیٹ پر موجود ہے۔

☆☆☆

خلاصہ مسائل تقلید

تقلید علم حاصل کرنے کا پہلا قدم ہے۔اس کے بغیر علم کا سفر شروع ہی نہیں ہوسکتا۔ بڑے سے بڑا مجتہد اور محقق بھی اپنی علمی زندگی کا آغاز تقلید سے ہی کرتا ہے۔لیکن تقلید کی موجودہ شکل جو علماء نے عوام پر مسلط کر رکھی ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔اس بات کی تفصیل جاننے کے خواہشمند مومنین و مومنات ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''تحقیق مسائل تقلید''۔ خلاصہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ1: ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ایمانیات، اخلاقیات اور اعمال کے بارے میں دین اسلام کی تعلیمات اور احکامات کا علم حاصل کرے۔اس لیئے کہ اگر وہ ان تعلیمات اور احکامات کا علم حاصل نہیں کرے گا تو اپنی زندگی ان تعلیمات اور احکامات کے مطابق نہیں گزار سکے گا اور قیامت کے دن گناہ گار بن کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ترجمہ: جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی اتباع نہ کرو۔ (اسراء:36)

یہ آیت واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ کوئی بھی عمل انجام دینے سے پہلے اس کے بارے میں علم حاصل کرنا ضروری ہے۔جب تک کسی عمل کے بارے میں علم نہ ہو کہ وہ شرعا درست ہے یا نہیں اس کو انجام نہ دیا جائے۔اس لیئے کہ علم کے بغیر اندھا دھند عمل کرنے سے بہت سے واجبات و فرائض ترک ہو جائیں گے اور بہت سے گناہ اور حرام سرزد ہو جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لست احب ان اری الشاب منکم الا غادیا فی حالین: اما عالما او متعلما وان لم یفعل فرط

وان فرط ضیع وان ضیع اثم وان اثم دخل النار والذی بعث محمدا بالحق

ترجمہ: میں تم میں سے کسی جوان کے بارے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی ان دو حالتوں کے علاوہ کوئی اور حالت ہو: یا وہ عالم ہو یا طالب علم، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو کوتاہی کا مرتکب ہوگا، کوتاہی کا مرتکب ہوگا تو حقوق وفرائض کو ضائع کرے گا، حقوق وفرائض کو ضائع کرے گا تو گناہ گار ہوگا، گناہ گار ہوگا تو جہنم میں داخل ہوگا۔ قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ (بحار الانوار، جلد 1، ابواب العلم، باب 1 حدیث 22)

مسئلہ 2: ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ حتیٰ الامکان قرآن مجید اور احادیث معصومین علیہم السلام کی روشنی میں اپنے دینی احکام کا علم حاصل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد، الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ، شیعہ سنی دونوں کی کتب حدیث میں موجود ہے:

انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی، ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی، وانهما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اپنے اہل بیت، جب تک تم ان دونوں کے ساتھ وابستہ رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے، اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ایک ساتھ حوض پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قدم پر اور ہر عمل میں ثقلین یعنی قرآن اور اہل بیت کی تعلیمات اور احکامات کے ساتھ وابستہ رہے۔ قرآن مجید اور اہل بیت کی تعلیمات کا علم حاصل کیے بغیر قرآن و اہل بیت سے تمسک قابل تصور ہی نہیں ہے۔ علماء کا بنیادی فریضہ مومنین کو قرآن و اہلبیت کے ساتھ تمسک کی تربیت دینا ہے۔ بدقسمتی سے انہوں نے اپنا بنیادی فریضہ ترک کر کے مومنین کو اپنی اندھی تقلید پر لگا دیا اور خود گزشتہ

مجتہدین کی اندھی تقلید پر لگ گئے۔ جب کہ معصومین علیہم السلام نے قرآن سے روشنی حاصل کرنے پر بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ما من مومن ذکر او انثیٰ حر او مملوك الا و للہ علیہ حق واجب ان یتعلم القرآن ویتفقہ فیہ (مستدرک الوسائل 233:4)

ترجمہ: ہر مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس کے ذمہ اللہ کا واجب حق ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرے اور اس میں تفقہ کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم یعرف الحق من القرآن لم یتنکب الفتن (بحار الانوار 242:2)

ترجمہ: جو حق کو قرآن کی روشنی میں نہیں پہچانے گا وہ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم یعرف امرنا من القرآن لم یتنکب الفتن (بحار الانوار 115:89)

ترجمہ: جو ہمارے امر کو قرآن کی روشنی میں نہیں پہچانے گا وہ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ینبغی للمومن ان لا یموت حتیٰ یتعلم القرآن اویکون فی تعلیمہ (کافی 2؛607)

ترجمہ: مومن کو چاہیے کہ اسے موت نہ آئے یہاں تک کہ اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کر لی ہو یا قرآن کی تعلیم دینے میں مصروف ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کل شیئ مردود الیٰ کتاب اللہ والسنۃ، وکل شیٔ لا یوفق کتاب اللہ فھو زخرف

ترجمہ: ہر چیز کتاب وسنت کی طرف لوٹائی جائے گی، اور ہر چیز جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ ایک خوشنما جھوٹ ہے۔ (بحار الانوار 242:2)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ما اتاکم عنا من حدیث لا یصدقہ کتاب اللہ فھو باطل (بحار الانوار 242:2)

ترجمہ: تمہارے پاس ہماری طرف سے جو بھی حدیث آئے جو اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

ان سب احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ایک مومن کی قرآن فہمی اس حد تک ہونی چاہیے کہ وہ کسی بھی حدیث کے بارے میں قرآن مجید کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنے کے قابل ہو کہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے یا نہیں۔

مسئلہ3: علم حاصل کرنے کے پانچ درجات ہیں:

پہلا درجہ تقلید کا ہے۔ لغت میں کسی کی بات کو بغیر دلیل کے مان لینے کو تقلید کہتے ہیں جبکہ دینی اصطلاح میں ''دلیل طلب کیے بغیر مجتہد کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں''۔ ہر شخص خواہ عام انسان ہو یا اعلیٰ پائے کا عالم، مجتہد اور مرجع تقلید، وہ عقائد، اخلاقیات اور احکام میں اپنی دینی تعلیمات کا آغاز تقلید سے ہی کرتا ہے۔ بچپن میں جب ماں باپ اسے بتاتے ہیں اور وہ توتلی زبان میں دہرارہا ہوتا ہے کہ اصول دین پانچ ہیں، فروع دین دس ہیں، اللہ ایک ہے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، امام بارہ ہیں، معصوم چودہ ہیں تو وہ اس وقت ان سب باتوں کو تقلیدی طور پر یاد کررہا ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ اجمالی علم کا ہے جیسے وضو کی آیت کو ترجمہ کے ساتھ یاد کرلینا۔

تیسرا درجہ تفصیلی علم کا ہے۔ اس مرحلہ کا آغاز مختصر اور سادہ تفصیل سے ہوتا ہے۔ مختصر اور سادہ تفصیل سے شروع ہونے والا یہ سفر جاری رہے تو اس میں بہت وسعت موجود ہے۔

چوتھا درجہ تحقیقی اور تقابلی علم کا ہے جس میں مختلف علماء و محققین کے نظریات کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان میں سے بہتر کا انتخاب کرنے کی صلاحیت حاصل کی جاتی ہے۔

پانچواں درجہ اجتہادی علم کا ہے جس میں انسان قرآن مجید اور احادیث معصومین اور دیگر محققین کی تحقیقات کا گہرا تحقیقی مطالعہ کر کے اپنا نظریہ اور اپنی محققانہ اور اجتہادی رائے قائم کرتا ہے۔

مسئلہ 4: اپنی دینی زندگی کا تقلید سے آغاز کر کے ساری زندگی تقلید پر قائم رہنا اور تقلید کی حالت میں ہی مر جانا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مکلف پر واجب ہے کہ اپنی استعداد اور حالات کے مطابق علم کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کی طرف سفر جاری رکھے۔ قرآن مجید اور احادیث اسلامی کا ایک مؤمن سے یہی مطالبہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (ملک:2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کا سلسلہ پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ عمل کے لحاظ سے تم میں کون بہتر ہے۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ مندرجہ ذیل دو باتوں میں سی کون سے بات بہتر ہے:

1۔ زندگی کا آغاز تقلید سے کرنا، ساری زندگی تقلید کرنا اور تقلید پر مر جانا؟

2۔ زندگی کا آغاز تقلید سے کرنا، پھر بتدریج اپنی علمی اور فکری سطح کو بلند کرتے چلے جانا اور تقلید سے نکل کر تحقیق کی طرف آ جانا؟

حدیث میں ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ، اَلَا اِنَّ اللهَ يُحِبُّ بُغَاةَ الْعِلْمِ

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اللہ علم حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (اصول کافی جلد 1، کتاب فضل العلم، باب 1، حدیث 1)

اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ علم حاصل کرنا صرف جاہل مسلمان پر فرض ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہر مسلمان میں عالم اور جاہل دونوں آ جاتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں دونوں پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ جاہل پر فرض ہے کہ وہ علم حاصل کر کے جہالت سے باہر نکلے

اور عالم پر فرض ہے کہ وہ مسلسل مزید علم حاصل کرتا چلا جائے۔

مسئلہ 5: سمجھ اور شعور آ جانے کے بعد ایمانیات یعنی اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے اور آپ پر لازم ہے کہ آپ قرآن وحدیث اور عقل کے تسلی بخش دلائل کی روشنی میں ایمانیات کا علم حاصل کریں۔ یہ راستہ فروع دین کی تعلیم حاصل کرنے میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ اگر آپ اصول دین میں تقلید نہیں کرتے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ آپ اصول دین میں مجتہد ہو گئے ہیں۔آپ اصول دین میں تقلید نہیں کرتے تو کیا آپ نے توحید، عدل، رسالت، امامت اور قیامت کے بارے میں سب قرآنی آیات کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کر لیا ہے؟ کیا آپ نے کتب اربعہ اور دیگر کتب احادیث میں ان تمام موضوعات پر موجود سب احادیث کی چھان بین کر لی ہے؟ ہرگز نہیں۔پس جس طرح آپ اجتہاد اور تقلید دونوں کے بغیر اصول دین کا علم حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح اجتہاد و تقلید کے بغیر فروع دین کا علم بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ راستہ آپ پر کھلا ہوا ہے۔ممکن ہے کہ آپ کہیں کہ یہ راستہ بہت مشکل ہے اور عام آدمی کے لیئے اس پر چلنا ممکن نہیں ہے یا بہت مشکل ہے۔تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جس کے لیئے یہ راستہ ناممکن یا بہت مشکل ہو وہ اس راستے کو اختیار نہ کرے لیکن اگر علمی ذوق رکھنے والے اہل مطالعہ اور علم دوست افراد اس راستے کو اختیار کرنا چاہیں تو انہیں ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے، ان پر کوئی روک اور پابندی نہیں ہے اور انہیں حتیٰ الامکان ایسا کرنا چاہیے تا کہ معاشرے کی علمی اور فکری سطح بلند ہو اور مسلم معاشرہ اندھی تقلید اور جمود کی سطح سے اوپر اٹھ سکے۔

مسئلہ 6: جو شخص قرآن اور سنت سے احکام شرعی کو اخذ کر سکتا ہو اسے مجتہد کہتے ہیں۔مجتہد امام زمانہ علیہ السلام کا نائب یا نمائندہ نہیں ہوتا۔امام زمانہ علیہ السلام نے اپنے چوتھے نائب علی بن محمد سمری کو ان کی وفات سے چھ دن پہلے فرمایا تھا کہ چھ دن بعد تمہاری وفات ہو جائے گی،تم کسی کو میرا نائب مقرر نہ کرنا کیوں کہ غیبت تامہ (غیبت کبریٰ) واقع ہو چکی ہے اور اس کے بعد میں کسی سے نہیں ملوں گا مگر جب اللہ کا حکم ہوگا۔

(الاحتجاج، جلد 2 صفحہ 478۔ بحارالانوار جلد 51 صفحہ 360، مزید تفصیل اسی کتاب کے صفحہ 56 پر ملاحظہ فرمائیں۔)

امام علیہ السلام کے اس واضح فرمان کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے زمانہ غیبت کبریٰ میں کوئی نائب امام نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نائب امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ اگر کوئی خود ایسا دعویٰ نہیں کرتا لیکن اس کے ارادتمند اس کے بارے میں ایسا دعویٰ کرتے ہوں اور وہ اس بات کی تردید کرسکنے کے باوجود تردید نہ کرے تو اس صورت میں بھی وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔

مسئلہ 7: مجتہد کا فتویٰ اللہ کا حکم نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے حکم کے بارے میں مجتہد کا اپنا فہم ہوتا ہے جو صرف خود اس کے لیئے اور اس پر حجت ہوتا ہے، کسی اور کے لیئے اور کسی اور پر حجت نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر آپ نے علم حاصل کرنا شروع کردیا اور مجتہد بن گئے۔ اب آپ نے تحقیق کی، اجتہاد کیا اور کسی مسئلہ میں ایک نتیجہ پر پہنچے تو آپ کی تحقیق اور آپ کا اجتہاد، یا بالفاظ دیگر آپ کا فتویٰ صرف آپ کے لیئے حجت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ نے اس طرح عمل کیوں کیا؟ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! میں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا، خوب غور و فکر سے کام لیا اور ایمانداری سے جو سمجھا اس پر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا عذر قابل قبول ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ آپ کا مؤاخذہ کرسکتا ہے کہ جب آپ نے علم و تحقیق کے ذریعے ایک بات سمجھ لی تھی تو اس کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کسی اور سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے آپ کے اجتہاد کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا۔

مسئلہ 8: جو مسائل وقت کے گزرنے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے اگر ان مسائل میں معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی سنت طیبہ میں عملی رہنمائی موجود ہو تو کسی مجتہد کو ان مسائل میں فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ مقلد پر بھی واجب ہے کہ ان سے مطالبہ کرے کہ اپنے فتویٰ کی بجائے معصومین علیہم السلام کی سنت طیبہ

سے رہنمائی کریں۔اس کے برعکس جن مسائل میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی رونما ہوتی ہے، نیز وہ مسائل جن میں ان کی سیرت طیبہ میں سے عملی نمونہ اور رہنمائی موجود نہیں ہے، ان مسائل میں لازم ہے کہ مجتہد اپنا فتویٰ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مقلدین کی عقلی و فکری سطح کو سامنے رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ اس کی دلیل بھی بیان کرے تاکہ معاشرہ تقلیدی سطح سے بلند ہو کر فکری ارتقاء کا سفر طے کرتا رہے۔

مسئلہ 9: ایک عام شخص جو مجتہد نہیں ہے وہ فقہی احکام پر عمل کرنے میں مندرجہ ذیل راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کر سکتا ہے:

1۔ تقلید: تقلید کے معنی فقہاء کے بہترین فتاویٰ کو جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبَشِّرۡ عِبَادِ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (سورہ زمر:18)

ترجمہ: اے رسول! میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے جو ہر بات کو سنتے ہیں، اور پھر ان میں سے سب سے احسن قول یعنی بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

اس مقصد کے لیئے مکلف ایسے مجتہد کی تقلید کرے گا جس میں یہ شرائط پائی جاتی ہوں:

(i) شیعہ اثنا عشری ہو۔ (ii) قرآن مجید اور سنت معصومین کی بنیاد پر تحقیق واجتہاد کرتا ہو، شہرت واجماع کا مقلد نہ ہو۔

(iii) اعلم ہو، یعنی دوسرے مجتہدین پر علمی برتری رکھتا ہو، دوسرے مجتہدین کی نسبت قرآن وسنت سے اللہ کے احکام کو سمجھنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔

(iv) اتقیٰ ہو، یعنی تقویٰ میں دوسرے مجتہدین سے برتر ہو۔اس لیئے کہ ان شرائط کی موجودگی میں اس کا قول اور فتویٰ دوسرے مجتہدین کے اقوال اور فتاویٰ سے بہتر اور سورۂ زمر کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق قول احسن ہوگا۔

جس مجتہد کی تقلید کی جائے اسے مرجع تقلید کہا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ اور کوئی شرط مرجع تقلید کے لیئے معتبر نہیں ہے۔ پس اگر کسی خاتون مجتہد میں یہ صفات پائی جاتی ہوں تو اس کی تقلید واجب ہوگی، اگر کسی غلام یا نابالغ میں یہ صفات پائی جاتی ہوں تو اس کی تقلید واجب ہوگی۔ اگر کوئی فوت شدہ مجتہد علم اور تقویٰ میں سب زندہ مجتہدین سے برتر ہو تو جن مسائل میں اس کا فتویٰ موجود ہو ان میں اس کی تقلید واجب گی خواہ ابتدائی تقلید ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیئے کہ بنیادی طور پر تقلید کسی شخص کی نہیں کرنی بلکہ قولِ احسن یعنی بہترین فتویٰ کی کرنی ہے۔ سورۂ زمر کی مذکورہ بالا آیت میں واضح طور پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قولِ احسن کی پیروی کرنے والے ہی ہدایت یافتہ اور صاحبان عقل ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ قولِ احسن کو چھوڑ کر غیر احسن کی اتباع کرنے والے ہدایت یافتہ اور صاحبانِ عقل نہیں ہیں۔

2۔ اصول دین والا راستہ اختیار کرے، جس طرح اصول دین میں آپ تقلید نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث اور عقل کے دلائل کی روشنی میں عقائد کا علم حاصل کرتے ہیں فقہی مسائل میں بھی یہ راستہ کھلا ہے۔ اصول دین میں دلیل کی روشنی میں علم حاصل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اصول دین میں مجتہد بن گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر جس طرح اصول دین کا علم اجتہاد اور تقلید کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے اسی طرح فقہی احکام کا علم بھی اجتہاد اور تقلید کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر معاشرے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو حتیٰ الامکان یہی راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ معاشرے کی علمی اور فکری سطح میں اضافہ ہو اور اندھی تقلید پر انحصار کم سے کم ہو سکے۔

3۔ احتیاط: اس کے معنی یہ ہیں کہ مکلف حتی الامکان ایسا طرز عمل اختیار کرے کہ اسے اطمینان حاصل ہو جائے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مثلاً اگر کچھ فقہاء کا فتویٰ ہو کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں ایک بار تسبیحات اربعہ پڑھنا کافی ہے اور کچھ فقہاء کا فتویٰ ہو کہ تین بار تسبیحات اربعہ پڑھنا واجب ہے تو احتیاط یہ ہے کہ تین بار پڑھے۔

مسئلہ 10: مجتہد غیر معصوم عالم دین ہوتا ہے۔اس سے غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے اور غلطی سرزد بھی ہوتی ہے۔فتاویٰ کا اختلاف اس بات کی واضح دلیل ہے۔ کچھ مجتہدین اہل کتاب کو پاک سمجھتے ہیں اور کچھ ان کو نجس سمجھتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ یہ دونوں فتوے صحیح نہیں ہو سکتے،ان دونوں فتاویٰ میں سے ایک ضرور غلط ہے۔مولا علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب بھی دو باتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں ان میں سے ایک ضرور غلط ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ حکمت 183)
لہٰذا اگر کوئی صاحب علم و تحقیق شخص کسی مقام پر دیکھے کہ اس کے مرجع تقلید کے فتویٰ میں غلطی ہے تو اس فتویٰ پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ 11: اگر آپ نے کسی مجتہد کو علم اور تقویٰ میں دوسرے مجتہدین سے برتر سمجھ کر اس کی تقلید کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ کوئی اور مجتہد علم اور تقویٰ میں اس سے برتر ہے تو اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

مسئلہ 12: اگر چند مجتہدین میں سے ہر ایک نے فقہ کے کچھ خاص ابواب میں تحقیق کی ہو،مثلاً ایک نے عبادات میں زیادہ تحقیق کی ہے،کسی دوسرے نے اقتصادی مسائل میں زیادہ تحقیق کی ہو،کسی اور نے نکاح وطلاق اور عائلی قوانین میں زیادہ تحقیق کی ہو تو ایسی صورت میں تقلید ان سب میں تقسیم ہو جائے گی۔آپ ہر شعبے میں اس شعبے کے ماہر محقق کی تقلید کریں گے اس لیئے کہ ان میں سے ہر ایک کا فتویٰ اس کے اپنے شعبے میں قولِ احسن ہوگا اور جن شعبوں میں اس کی تحقیق نہیں ہے یا کم ہے ان میں اس کا فتویٰ قولِ احسن نہیں ہوگا۔

مسئلہ 13۔اگر کچھ فقہاء علم وتقویٰ میں برابر یا بہت قریب ہوں اور ان میں سے کسی کو دوسروں پر نمایاں برتری حاصل نہ ہو تو ان میں سے کسی کی بھی تقلید کی جا سکتی ہے۔اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ضرور ان میں سے کسی ایک کو معین کر کے سب مسائل میں اسی کے فتویٰ پر عمل کیا جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کسی بھی مسئلہ میں ان میں سے کسی کے بھی فتویٰ پر عمل کر سکتے ہیں۔آپ کو کوئی مسئلہ درپیش آ گیا تو آپ یکساں مجتہدین میں سے کسی کے بھی فتویٰ کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

مسئلہ14: مرجع تقلید کو پہچاننے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ انسان خود مرجع تقلید کی شناخت کرسکتا ہو۔ یا پھر علمی حلقوں میں علم وتقویٰ میں اس کی برتری کی سچی اور ایمان دارانہ شہرت ہو۔ سیاسی اثر ورسوخ، پیسے اور سرکاری مشینری اور پروپیگنڈہ مشینری کے استعمال سے عوامی سطح پر حاصل ہونے والی شہرت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دو عادل گواہوں کی گواہی مرجع تقلید کی پہچان کا کوئی قابل اعتبار طریقہ نہیں ہے۔ اس لیئے کہ جو شخص بھی اجتہاد اور مرجعیت کا دعویدار ہو وہ کہیں نہ کہیں سے دو ''عادل گواہ'' ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنے کی ہے کہ اگر دس مراجع میں سے آپ نے کسی ایک کی تقلید کی اور باقی کو چھوڑ دیا تو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اس سوال کا جواب آپ کو خود ہی دینا ہے کہ آپ نے جس کی تقلید کی کیوں کی اور جن کو چھوڑا ان کو کیوں چھوڑا۔ اس لیئے کہ اگر آپ کے مرجع کے پاس دو ''عادل گواہ'' ہیں تو کم از کم اٹھارہ ''عادل گواہ'' اس کے خلاف، یعنی دوسرے نو مجتہدین کے پاس بھی ہیں۔

مسئلہ14: مرجع تقلید کا فتویٰ جاننے کے ذرائع یہ ہیں:

(1) براہِ راست مرجع تقلید سے سننا۔　　(2) اس کے مجاز وکیل یا نمائندے سے سننا۔

(3) کسی ایسے شخص سے سننا جس کی امانتداری، شرافت اور صلاحیت پر آپ کو اعتماد ہو۔ (4) مرجع تقلید کے رسالہ عملیہ میں یا اس کی ویب سائیٹ پر دیکھنا۔

مسئلہ15: اگر مجتہد کا فتویٰ تبدیل ہوجانے کا علم ہوجائے تو پرانے فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ معقول وجوہات کی بنیاد پر اگر اس بات کا امکان ہو کہ مرجع تقلید کا فتویٰ تبدیل ہو گیا ہو تو اطمینان اور تسلی کر لینا ضروری ہے کہ اس کا فتویٰ تبدیل ہوا ہے یا نہیں۔ اس کے بغیر سابقہ فتویٰ پر عمل کرتے رہنا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر ویسے ہی آپ کے ذہن میں یہ وہم یا خیال آجائے کہ شاید مرجع تقلید کا فتویٰ تبدیل ہو گیا ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

آخر پر ایک بار پھر اس نکتہ کی یاد آوری لازم و واجب ہے کہ دین داری کی دو قسمیں ہیں: تقویٰ کی دینداری اور فتویٰ کی دینداری۔ بنیادی طور پر اللہ

تعالیٰ ہم سے تقویٰ کی دین داری چاہتا ہے۔ ہر مومن پر واجب ہے کہ فتویٰ والی دین داری کو تقویٰ والی دین داری کے تابع رکھے۔

☆☆☆

خلاصہ مسائل خمس

(تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''مسائل خمس: قرآن وسنت کی روشنی میں'')

مسئلہ 1۔ خمس چار چیزوں پر واجب ہے جو یہ ہیں:

1۔ میدان جنگ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت۔ 2۔ کنز یعنی زیر زمین دفن شدہ یا کسی بھی صورت میں چھپایا گیا خزانہ۔

3۔ معادن یعنی زمین اور پہاڑوں کی کانوں میں سے حاصل ہونے والی اشیاء جیسے سونا چاندی، تانبہ، ہیرے جواہرات، پٹرول اور دیگر معدنی ذخائر۔

4۔ غوص یعنی دریا اور سمندر میں غوطہ زنی سے حاصل ہونے والے موتی اور قیمتی پتھر۔

مسئلہ 2۔ تجارت، زراعت، محنت مزدوری، ملازمت اور کسی بھی قسم کے کام سے کمائی ہوئی آمدنی اور سال بھر کے اخراجات کے بعد اس میں سے باقی رہ جانے والی بچت پر خمس واجب نہیں ہے۔

مسئلہ 3۔ سورۂ انفال کی آیت 41 کے مطابق خمس کے چھ حصے ہیں:

1۔ اللہ کا حصہ۔ 2۔ رسول اللہ کا حصہ۔ 3۔ ذی القربیٰ یعنی رسول اللہ کے قرابتداروں یعنی سادات کا حصہ۔

4۔ یتیموں کا حصہ۔ 5۔ مساکین کا حصہ۔ 6۔ مسافروں کا حصہ۔

اہم نوٹ: اللہ کا حصہ اور رسول اللہ کا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرمایا کرتے تھے اور دین کی تبلیغ اور دینی خدمات پر اور اپنے خاندان کی ضروریات پر صرف کرتے تھے۔ رسول اللہ کے قرابت داروں میں سے جو فقیر، مسکین اور ضرورتمند تھے ان کی کفالت آپ ذی القربیٰ کے حصے سے کرتے تھے۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت کر کے اسلامی حکومت کے الٰہی سربراہ کی حیثیت سے امت کی عام فقراء ومساکین اور ضرورتمندوں پر صرف کرتے تھے۔

مسئلہ 4۔ رسول اللہ کے قرابتدار صرف قرابتداری کی وجہ سے خمس کے حق دار نہیں تھے۔ بلکہ ان میں سے جو فقیر، مسکین، یتیم اور مسافر تھے وہی خمس کے حقدار تھے۔ اس طرح سادات کے مستحقین ذی القربیٰ میں آجاتے ہیں اور ان چھ حصوں میں سے ایک حصہ یعنی تیسرا حصہ جو ذی القربیٰ کا حصہ ہے، سہم سادات ہوگا۔ باقی ماندہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے مراد امت کے غیر سید یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔

مسئلہ 5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اللہ اور رسول کا حصہ جانشین رسول کی حیثیت سے امام علیہ السلام کو ملے گا۔ ذی القربیٰ کا حصہ سادات کے فقراء ومساکین، یتامیٰ اور مسافروں کو ملے گا اور آخری تین حصے امت کے فقراء ومساکین، یتیموں اور مسافروں کو ملیں گے۔ بنابریں یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ زمانہ غیبت میں خمس کے دو حصے ہیں ایک سہم امام اور دوسرا سہم سادات، یہ بات درست نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلے دو حصے یعنی اللہ اور رسول اللہ کا حصہ جو دین کی تبلیغ اور دینی خدمات کے لیئے صرف کیے جائیں گے وہ جانشین رسول کے طور پر امام علیہ السلام کے ساتھ مختص ہوں گے یعنی سہم امام ہوں گے۔ تیسرا حصہ یعنی ذی القربیٰ کا حصہ سادات کے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ یعنی سہم سادات ہوگا اور آخری تین حصے امت کے عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیئے ہوں گے۔

مسئلہ 6۔امام زمانہ علیہ السلام کی ایک توقیع مبارک کے مطابق زمانہ غیبت میں سہم امام کی ادائیگی معاف ہے۔اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو یہ مستحب ہے۔اگر اس کو واجب بھی مان لیا جائے تو سہم امام مجتہد کو دینا یا اسے خرچ کرنے کے لیئے مجتہد کی اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔اگر آپ کے پاس ایسا مال ہے جس کا خمس ادا کرنا واجب ہے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین کی تعلیمات کے مطابق اسے صحیح طور پر صرف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ بلا جھجک صرف کر سکتے ہیں۔

مسئلہ 7۔اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے اندر اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین کی تعلیمات کے مطابق خمس کو صحیح طور پر صرف کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو آپ کسی بھی ایسے شخص کو جس میں یہ صلاحیت موجود ہو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں۔اس کے لیئے مولوی، مجتہد یا مرجع ہونا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ 8۔خمس، زکوٰۃ، فطرہ اور دوسرے مالی واجبات معاشرے سے غربت کے خاتمہ اور معاشرے اور قوم کی اجتماعی ضروریات کے لیئے مقرر کیے گئے ہیں۔ لہٰذا جب تک کسی معاشرے میں غربت موجود ہو اس معاشرے کے خمس وزکوٰۃ کی رقوم اس معاشرے سے باہر بھیجنا جائز نہیں ہے۔بنابریں جب تک پاکستان میں خمس وزکوٰۃ کا ایک بھی مستحق موجود ہے خمس اور زکوٰۃ کی رقم پاکستان سے باہر بھیجنا حرام ہے۔مگر یہ کہ کسی ملک میں کوئی بہت بڑی قدرتی آفت آ جائے اور اس سے نمٹنے کے لیئے ایسا کرنا ضروری ہو۔

☆☆☆

مسئلہ تقلید اور خمس کے حوالے سے ایک اہم سوال؟

خلاصہ مسائل تقلید اور خلاصہ مسائل خمس کے بعد ایک بہت اہم سوال توجہ کا طالب نظر آتا ہے۔روایتی نظام مرجعیت کا غور سے جائزہ لیں تو اس کی بنیاد دو چیزوں پر استوار ہے۔تقلید اور خمس۔ایک سوال ایک عرصے سے میرے سامنے ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ایک توقیع مبارک (یعنی تحریری فرمان) کا ایک حصہ جو تقلید کے بارے میں ہے مجتہدین اور مراجع اور ان کے وکلاء و نمائندگان اسے بہت زور و شور سے بیان کرتے ہیں مگر دوسرا حصہ جو خمس سے متعلق ہے اس کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ان دونوں حصوں کو ملاحظہ فرمائیں۔پہلے تقلید سے متعلق:

واما الحوادث الواقعه فارجعوا فیھا الیٰ رواۃ احادیثنا فانھم حجتی علیکم و انا حجۃ اللہ

ترجمہ: جہاں تک نئے پیش آنے والے مسائل کا تعلق ہے تو ان میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو،
وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت حجت کے فرمان مبارک کا یہ حصہ اگرچہ موجودہ نظام تقلید کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا، جیسا کہ ہم اپنی کتاب ''تحقیق مسائل تقلید'' میں اس پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔لیکن مسئلہ تقلید کے ساتھ اس کا ایک ہلکا سا تعلق ضرور ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے خمس سے متعلق امام علیہ السلام کا ارشاد:

واما الخمس فقد ابیح لشیعتنا فھم فی حل منہ الیٰ وقت ظھور امرنا لتطیب ولادتھم

ترجمہ: جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو وہ ہمارے شیعوں کے لیئے مباح کر دیا گیا ہے اور ہم نے اپنے ظہور تک اسے ان کے لیئے حلال کر دیا ہے تا کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

یہاں یہ نکتہ قابل تشریح ہے کہ اس حدیث میں شیعہ سے مراد کون سے شیعہ ہیں جن کے لیئے امام زمانہ علیہ السلام نے خمس حلال کر دیا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ مستحق شیعوں کے لیئے تو خمس ہمیشہ حلال تھا، یہاں شیعہ سے مراد وہ شیعہ ہیں جن کے ذمہ خمس واجب ہے اور اس کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خمس کی ادائیگی ان پر واجب نہیں ہے، وہ خمس کو اپنے ذاتی استعمال میں لے آئیں یا کسی اور جائز کام پر صرف کر لیں تو یہ ان کے لیئے حلال ہے۔

اس تشریح کا واضح ثبوت وہ حکمت ہے جو امام علیہ السلام نے خود اس ارشاد میں بیان فرمائی ہے کہ ان کی ولادتیں پاک ہوں۔ اگر کسی کے ذمہ کسی کا حق ہے اور وہ اس حق کو ادا نہیں کرتا تو حرام کھا رہا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی حرام کھلا رہا ہے، اس کا خون حرام سے بن رہا ہے اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی ناپاک ہوگی۔ اگر کسی پر خمس واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو اس کا کھانا پینا حرام ہوگا، اس کھانے پینے کے نتیجہ میں بننے والا خون حرام ہوگا اور اس خون سے پیدا ہونے والی اولاد ناپاک ہوگی۔ امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہم نے اپنا حق تمہیں حلال کر دیا تا کہ تم حرام خوری سے بچ جاؤ، تمہارا کھانا پینا پاک اور حلال ہو، تمہارا خون پاک اور حلال ہو اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد پاک ہو۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس فرمان میں شیعہ سے مراد وہ شیعہ ہیں جن کے ذمہ خمس ہے، امام علیہ السلام نے ان کو سہم امام کی ادائیگی معاف کر دی ہے اور اپنا حصہ ان کے لیئے حلال کر دیا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی سہم امام کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ سہم امام ہمیں دو تو امام زمانہ علیہ السلام کے اس واضح فرمان کی مخالفت کرتا ہے۔

ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ ہمارے مجتہدین اور مراجع تقلید امام علیہ السلام کے ایک ہی فرمان کے ایک حصے کو جو تقلید سے ہلکا سا تعلق رکھتا ہے اس قدر زور وشور سے کیوں بیان کرتے ہیں اور دوسرے حصے کو جس میں خمس کی ادائیگی شیعوں کو معاف کردی گئی ہے، اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ کیوں؟ کسی اور مذہب یا فرقے کے علماء ایسا کرتے تو ہم بے دھڑک یہ کہہ دیتے کہ وہ بد دیانتی اور بے ایمانی کررہے ہیں کہ اپنے مفاد کے حصے کو بیان کررہے ہیں اور جو حصہ ان کے مفاد کے ساتھ جوڑ نہیں رکھتا اس کو چھپا رہے ہیں۔ لیکن یہاں کیا کہا جائے؟ اس سوال کا جواب اگر مومنین کو کہیں سے مل سکے تو ہمیں بھی ضرور مطلع فرمادیں۔

☆☆☆

خلاصہ مسائل زکوٰۃ

(تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''مسائل زکوٰۃ: قرآن وسنت کی روشنی میں'')

مسئلہ 1۔ زکوٰۃ کرنسی نوٹوں سمیت سب اموال پر واجب ہے۔ صرف نو چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہونے والی بات قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

مسئلہ 2۔ واجب زکوٰۃ کی دو اقسام ہیں: (i) نصابی زکوٰۃ (ii) غیر نصابی زکوٰۃ

(i) نصابی زکوٰۃ: اس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے جو کسی چیز کی ایک مقرر شدہ مقدار کا مقرر شدہ فیصد ہوتی ہے مثلاً سونے کی ایک خاص مقدار ہو تو اس کا اڑھائی فیصد نصابی زکوٰۃ ہوگی۔

(ii) غیر نصابی زکوٰۃ: اگر کوئی شخص واجب نصابی زکوٰۃ ادا کرچکا ہو یا اس کے اوپر نصابی زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو تو بھی بعض اوقات اس پر کسی کی مدد کرنا واجب ہوجاتا ہے

مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص خود پیٹ بھر کر سور ہے اور اس کا پڑوسی رات کو بھوکا رہے تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔ اس کو ہم غیر نصابی واجب زکوٰۃ کہیں گے۔

مسئلہ 3۔ ہر دور میں زکوٰۃ کا نصاب ایک نہیں ہوگا اس لیئے کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنَ ترجمہ: صدقات (زکات) فقراء اور مساکین کے لیئے ہیں۔ (توبہ:60)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ لِلْفُقَرَاءِ فِیْ اَمْوَالِ الْاَغْنِیَاءِ مَا یَکْفِیْہِم (الکافی جلد3:498)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کا اتنا حصہ رکھا ہے جو ان کے لیئے کافی ہے۔

ظاہری بات ہے کہ غنی اور فقیر ہونے کا معیار ہر وقت اور ہر جگہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔ قیام پاکستان کے وقت اگر کسی پاکستانی کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار روپیہ تھی تو وہ غنی اور دولت مند سمجھا جاتا تھا لیکن آج بیس ہزار ماہانہ آمدنی والا شخص بھی انتہائی غریب اور زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر پاکستان میں کسی کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار ڈالر ہو تو وہ یقینا غنی شمار ہوگا یا کم از کم فقیر شمار نہیں ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ امریکا میں ماہانہ ایک ہزار ڈالر آمدنی پانے والا شخص یقینا غریب ہوگا اور مستحق زکوٰۃ ہوگا۔

مسئلہ 4۔ ہر دور کے اقتصادی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ کا نصاب مقرر کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور نصابی زکوٰۃ کی وصولی اور عادلانہ تقسیم بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ دراصل زکوٰۃ ہی اسلامی ریاست کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ ہے۔

مسئلہ 5۔ اگر آپ کسی ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں حکومت اپنے معاملات اور کاروبار مملکت کو چلانے کے لیئے زکوٰۃ کے بجائے ٹیکس وصول کرتی ہے تو آپ پر نصابی زکوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ جو ٹیکس آپ حکومت کو ادا کرتے ہیں وہ اسی مقصد کے لیئے ہوتے ہیں جن کے لیئے اسلامی حکومت نصابی زکوٰۃ وصول

کرتی ہے۔ پاکستان میں ہر شخص بہت سے براہ راست یا بالواسطہ ٹیکس ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح ہر چیز پر سیلز ٹیکس اور دیگر کئی اقسام کے بالواسطہ ٹیکس ہر شخص سے وصول کئے جاتے ہیں۔ یہ سارے ٹیکس واجب زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہوجاتے ہیں۔ ان ٹیکسوں کے بعد نصابی زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔ اتنے ٹیکسوں کے بعد پھر بنکوں سے زکوٰۃ کی جبری کٹوتی ایک غیر قانونی، غیر شرعی اور غیر اخلاقی عمل ہے۔

مسئلہ 6۔ ایسے ممالک میں رہنے والے افراد نصابی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیں تو وہ مستحب ہوگی۔ ایسے ممالک میں رہنے والے تمام افراد پر واجب ہوگا کہ غربا و فقراء اور محتاجوں کی امداد کے لیئے، حسب حال اور حسب توفیق غیر نصابی زکوٰۃ ادا کریں۔ اسی طرح فروغ مذہب کے منصوبوں یا معاشرتی فلاح و بہبود کے منصوبوں کی حسب حال امداد بھی غیر نصابی واجب یا مستحب زکوٰۃ کے زمرے میں آئے گی۔

مسئلہ 7۔ زکوٰۃ کے مسئلہ میں سید اور غیر سید کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ سید غیر سید کی واجب اور مستحب دونوں قسم کی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ زکوٰۃ فطرہ کا بھی یہی حکم ہے، یعنی سید غیر سید کا فطرہ لے سکتا ہے۔

ایک عجیب ستم ظریفی!

مسائل زکوٰۃ کے آخر پر اس بات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے اور ان دونوں کو اسلام کے بنیادی احکام میں قرار دیا ہے۔ ہمارے کچھ غیر ذمہ دار ذاکرین اور خطیبوں نے نماز کے معاملہ میں یہ ظلم کیا نماز کی اہمیت کو کم کر دیا اور ہمارے فقہاء اور مجتہدین نے زکوٰۃ کے معاملہ میں یہ ظلم کیا کہ زکوٰۃ کی ایسی شکل بنادی کہ عملی طور پر اہل تشیع میں زکوٰۃ ختم ہوگئی ہے۔ نماز کے معاملہ میں ذاکرین کے اس ظلم کے باوجود مؤمنین کی کثیر تعداد نماز پڑھتی ہے اور ماشاءاللہ بہت زیادہ تعداد میں مساجد آباد ہیں۔ لیکن مجتہدین کا زکوٰۃ پر ظلم اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ مؤمنین میں زکوٰۃ ختم ہوکر

رہ گئی ہے۔سوائے ایک بہت قلیل تعداد کے جوز کوۃ کے بارے میں مجتہدین کے موقف کو درست نہیں مانتے،کوئی زکوۃ ادانہیں کرتا۔

☆☆☆

پاکستان میں ولایت فقیہ اور اسلامی انقلاب؟

پاکستان میں ولایت فقیہ کے بارے میں بات کرنے سے پہلے ایران میں قائم نظام ولایت فقیہ سے آشنائی ضروری ہے اس لیئے کہ پاکستان میں ولایت فقیہ کی باتیں کرنے والوں کے پیش نظر ایران میں نافذ نظام ولایت فقیہ ہوتا ہے اوران کی سیاسی وابستگی بھی اسی سے ہے۔ایران میں قائم نظام ولایت فقیہ آیت اللہ خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر قائم ہوا۔خمینی صاحب کے نظریہ ولایت فقیہ کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد جامع الشرائط کی حاکمیت میں ملک کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا،یعنی مجتہد جامع الشرائط کی حاکمیت میں ملک میں فقہ جعفریہ نافذ کرنا۔ظاہر سی بات ہے کہ شاہ کے ہوتے ہوئے ایسا ممکن نہیں تھا۔یہ ممکن نہیں تھا کہ ایران پر شاہ کی حکومت ہو اور ساتھ ساتھ ملک کا نظام فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جائے۔لہٰذا سب سے پہلے شاہ کی حکومت کا خاتمہ ضروری تھا۔ساٹھ ہزار افراد کی جان کی قربانی دے کر انقلاب برپا کیا گیا اور شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے خمینی صاحب نے ایران کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ولی فقیہ کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

ایران میں ولی فقیہ کا عہدہ سب سے زیادہ بااختیار ہے۔تمام اختیارات ولی فقیہ کی منظوری سے استعمال ہوتے ہیں۔ایران کے صدارتی انتخابات میں کامیاب ہونے والا امیدوار ولی فقیہ کے حکم سے صدر بنتا ہے۔ولی فقیہ صدر سمیت کسی بھی اعلیٰ عہدے دار کو اس کے عہدے سے برطرف کرسکتا ہے۔چیف جسٹس اور تینوں مسلح افواج کے کمانڈران چیف صاحبان کو ولی فقیہ مقرر کرتا ہے۔ملک میں سب آئمہ جمعہ ولی فقیہ کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں اور ہر امام جمعہ اپنے علاقے

میں ولی فقیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن کے محکمے کے سربراہ کا تقرر بھی ولی فقیہ کرتا ہے۔

چونکہ ولایت فقیہ کا مقصد ملک کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا ہے اور ملک میں فقہ جعفریہ نافذ کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ سب اعلیٰ عہدے فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے پاس ہوں۔ لہٰذا ایران کا صدر، کابینہ کے ارکان، چیف جسٹس اور اعلی عدالتوں کے جج صاحبان، مسلح افواج کے کمانڈر صاحبان، سب کا شیعہ ہونا لازمی ہے۔ ہاں جن علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت ہے وہاں کی مقامی آبادی کے نجی معاملات کا فیصلہ ان کی فقہ کے مطابق کرنے کا قانون ہے لیکن عمومی نوعیت کے معاملات کا فیصلہ بہرحال فقہ جعفریہ کے مطابق ہی ہونا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ پاکستان میں اس طرح کی ولایت فقیہ نافذ ہوسکتی ہے؟ پاکستان میں نادرا کے ریکارڈ کے مطابق شیعہ آبادی آٹھ سے دس فیصد ہے۔ شیعہ سیاسی حلقے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان میں شیعہ آبادی ملک کی کل آبادی کا پچیس فیصد ہے۔ یہ بات اگرچہ خلافِ حقیقت مبالغہ ہے لیکن ایک منٹ کے لیئے اسے صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی پچیس فیصد شیعہ آبادی (جو دراصل دس فیصد ہے) پاکستان میں اس قسم کا شیعہ انقلاب برپا کرسکتی ہے کہ ملک کا سارا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جاسکے؟

1986 میں پاکستان میں وسیم عون جعفری کو سٹیٹ بنک کا گورنر بنایا گیا جو پاکستان کے اکثریتی فرقے کے انتہا پسندوں کے لیئے قابل ہضم نہیں تھا۔ ان کی مدت کے خاتمہ پر ترازو برابر کرنے کے لیئے اگلا گورنر امتیاز عالم حنفی کو مقرر کیا گیا۔ ان کی مدت ختم ہونے کے بعد کچھ وقفے کے بعد انہیں دوسری بار بھی گورنر مقرر کیا گیا جس سے ترازو کا جھکاؤ پھر اکثریت کے حق میں چلا گیا۔ جس ملک میں یہ صورت حال ہو وہاں اس بات کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے سارے معاملات جامع الشرائط شیعہ مجتہد کی حاکمیت میں فقہ جعفریہ کے مطابق چلائے جائیں اور اس مقصد کے لیئے سارے اعلیٰ عہدے فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے

افراد کو دیئے جائیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ پاکستان کی شیعہ برادری پاکستان میں انقلاب ایران جیسا انقلاب برپا کر کے پاکستان کا موجودہ آئین ختم کر دے اور ایک ایسا آئین بنا کر نافذ کر دے جس کے مطابق پاکستان کا نظام فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جائے گا۔ بالفاظ دیگر پاکستان ایک شیعہ ریاست ہوگا، جس کا صدر، وزیر اعظم، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور جج صاحبان شیعہ ہوں گے، آرمی، نیوی اور ائیر فورس کے چیف آف سٹاف صاحبان اور دوسرے اعلیٰ کمانڈر صاحبان شیعہ ہوں گے۔ چاروں صوبوں کے گورنر اور وزیر اعلیٰ حضرات شیعہ ہوں گے، مرکزی اور صوبائی کابینہ کے اراکین سب شیعہ ہوں گے۔ بس ہر کابینہ میں ایک اہل سنت کو وزیر امور اہل سنت مقرر کیا جائے گا جو اہل سنت عوام کی نظر میں شیعہ حکمرانوں کا چمچہ کہلائے گا۔

بالکل صاف اور سیدھی بات ہے کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کچھ باتوں کو دیوانے کا خواب کہا جاتا ہے، یہ بات دیوانے کے خواب سے بھی بڑی دیوانگی ہے۔ جب جنرل ضیاء نے پاکستان کے عوام کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لیئے نفاذ اسلام کے نام پر کچھ نمائشی اقدامات کیے تو پاکستان کی شیعہ برادری عدم تحفظ کا شکار ہوگئی۔ انہوں نے اپنے تحفظ کے لیئے ایک تنظیم بنائی جس کا نام تحریک نفاذ فقہ جعفریہ رکھا گیا۔ کچھ سال گزرنے کے بعد انہیں احساس ہو گیا کہ پاکستان میں فقہ جعفریہ نافذ کرنے کا مطالبہ بالکل غیر معقول اور غیر منطقی ہے۔ لہٰذا تنظیم کے نام میں سے نفاذ اور فقہ کے الفاظ کو نکال دیا گیا اور اس کا نام تحریک جعفریہ ہو گیا۔ کچھ برس گزرنے کے بعد اس غلطی کا بھی احساس ہو گیا کہ پاکستان میں جعفری مسلک کی بنیاد پر سیاست ممکن نہیں ہے۔ تب اس کا نام تحریک جعفریہ سے تبدیل کر کے تحریک اسلامی رکھ دیا گیا۔ بعد میں یہ نام بھی تبدیل کر کے اسے شیعہ علماء کونسل کا نام دے دیا گیا۔ تا حال یہی نام چل رہا ہے۔

مختصر یہ کہ نہ تو پاکستان ایک شیعہ ملک ہے، نہ اس میں انقلاب ایران جیسا شیعہ انقلاب آ سکتا ہے اور نہ ہی فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں اس کا نظام

فقہ جعفریہ کے مطابق چلایا جاسکتا ہے۔لہٰذا یہاں ولایت فقیہ کی بات کرنا محض جہالت اور حماقت ہے یا پھر سادہ لوح عوام اور جذباتی نوجوانوں کو بے وقوف بنا کر سیاسی دکانداری !!

ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ پاکستان میں تو فقیہ جامع الشرائط کی حاکمیت میں ولایت فقیہ کا نظام قائم نہیں ہوسکتا لیکن ایران میں جو نظام قائم ہو چکا ہے اس کے ولی فقیہ کو پاکستان کے شیعہ عوام پر بھی ولایت حاصل ہے۔یہ بات بھی جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لیئے کہ انقلاب ایران کے بعد متعارف ہونے والے امام خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ جامع الشرائط شیعہ فقیہ کی حاکمیت میں کاروبار مملکت فقہ جعفریہ کے مطابق چلانا۔ملک میں حکومت اور اقتدار کے بغیر ولایت فقیہ کا نفاذ ممکن ہی نہیں ہے۔اگر ایسا ممکن ہوتا تو امام خمینی ایران میں ایسا کر لیتے کہ شاہ حکومت کرتا رہتا اور امام خمینی حکومت و اقتدار سے باہر ہوتے ہوئے ولایت فقیہ چلاتے رہتے۔یا جب امام خمینی نجف میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تو وہاں بیٹھ کر ایران میں اپنی ولایت فقیہ چلاتے رہتے۔

بنابریں پاکستان میں ولایت فقیہ کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ پاکستان سے باہر کا کوئی ولی فقیہ پاکستان کے معاملات کو فقہ جعفری کے مطابق چلائے تو یہ بالکل ناممکن سی بات ہے۔ایران کا ولی فقیہ ایران میں بیٹھ کر کسی صورت میں پاکستان کے یا دنیا کے کسی دوسرے ملک کے امور مملکت کو فقہ جعفریہ کے مطابق نہیں چلاسکتا۔اس حوالے سے اس فقیر نے ایران کے موجودہ ولی فقیہ کو چند سوالات ارسال کیے تھے لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔(یہ سوالات ایک پمفلٹ کی صورت میں موجود ہیں اور ان کی پی ڈی ایف فائل ہماری ویب سائیٹ پر موجود ہے۔)

ذرا سوچیں کہ اگر ایران کا ولی فقیہ یہ ہدایت جاری کرے کہ عید نوروز کے موقع پر قیدیوں کی سزا میں تین ماہ کی معافی دے دی جائی گی تو کیا پاکستان کی جیلوں میں قید شیعہ قیدیوں کو تین ماہ کی معافی ملے گی؟اگر ایرانی ولی فقیہ ہدایات جاری کرے کہ رمضان المبارک میں سرکاری ملازموں کو سحری وافطاری کے لیئے

خصوصی الاؤنس دیا جائے گا تو کیا ان کے اس حکم کا اطلاق پاکستان پر ہوگا؟ اگر ایرانی ولی فقیہ یہ ہدایات جاری کریں کہ شہداء کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیئے خصوصی وظائف دیئے جائیں گے تو کیا پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیوں میں شہید ہونے والے مومنین کے بچوں اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شہید ہونے والے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کے بچوں کو بھی یہ خصوصی وظائف دیئے جائیں گے؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایرانی ولی فقیہ کی ولایت اور حاکمیت صرف ایران تک محدود ہے۔ ہاں اگر ایرانی ولی فقیہ کی ولایت فقیہ کا مطلب یہ ہو کہ پاکستان میں کچھ جذباتی جوان ان کی تصویریں اٹھا کر ان کے حق میں نعرے لگاتے رہیں اور ان کو رہبر معظم رہبر معظم کہتے رہیں تو اس صورت میں وہ ان جذباتی نوجوانوں کے منہ بولے ولی فقیہ اور رہبر معظم تو ہو سکتے ہیں لیکن اس کا حقیقی رہبری اور ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

ولایت فقیہ کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آیت اللہ خمینی کی وفات کے ساتھ ہی ایران میں بھی نظام ولایت فقیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مجلس خبرگان کے جس اجلاس میں سید علی خامنہ ای صاحب کو ولایت فقیہ کے منصب پر مقرر کیا گیا، اسی اجلاس میں انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں صاحب نظر نہیں ہوں، یعنی میں مجتہد نہیں ہوں، مجھے رہبر بنایا گیا تو یہ رہبری کی صورت تو ہوگی لیکن حقیقی رہبری نہیں ہوگی۔ ان کے اپنے الفاظ یہ تھے: ''این رہبری صوری خواہد بود و نہ رہبری واقعی''۔ آیت اللہ خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد وہ حدیث ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آیت اللہ خمینی کی تشریح کو قبول کر لیا جائے تو اس حدیث کے مطابق ولی فقیہ وہ شخص ہوگا جو افقہ، یعنی سب مجتہدین سے بڑا مجتہد، ہو۔ لیکن مجلس خبرگان نے اس منصب پر ایک ایسے شخص کو بٹھا دیا جو خود کہہ رہا ہے کہ میں مجتہد نہیں ہوں۔ یعنی جس منصب پر افقہ، یعنی سب سے بڑے فقیہ کو ہونا چاہیے اس منصب پر ایسے شخص کو نصب کر دیا گیا جو سرے سے فقیہ ہی نہیں ہے۔

اس طرح یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ایران میں ولایت فقیہ کا نظام خمینی صاحب کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اور بقول خامنہ ای

صاحب کے ان کی ولایت فقیہ ایک نمائشی ولایت فقیہ ہے حقیقی ولایت فقیہ نہیں ہے۔

بہرحال جو لوگ پاکستان میں ولایت فقیہ کے نام پر سیاسی دکانداری کر رہے ہیں انہیں یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ وہ پاکستان میں کس طرح کا نظام ولایت فقیہ قائم کریں گے اور ان کی قائم کردہ ولایت فقیہ کے خدوخال کیا ہوں گے۔

(مزید تفصیلات کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''ولایت فقیہ: افسانہ وحقیقت''۔ پی ڈی ایف فائل ویب سائیٹ پر موجود ہے)

☆☆☆

لبرلزم اور سیکولرزم

بد قسمتی سے مسلمانوں کے علماء کا طبقہ بوقت ضرورت جھوٹ بولنے اور بددیانتی کا ارتکاب کرنے میں ذرا بھی خوف خدا محسوس نہیں کرتا۔ یہ طبقہ لبرلزم اور سیکیولرزم کے سخت خلاف ہے اور لبرلزم اور سیکیولرزم کے بارے میں مسلمان عوام سے جھوٹ بولتا ہے۔ اس مذہبی طبقے نے ناخواندہ اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے اور گمراہ کرنے کے لیئے یہ بتایا ہوا ہے کہ لبرلزم کے معنی آزاد خیالی اور سیکیولرزم کے معنی لادینیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لبرلزم اور سیکیولرزم کے یہ معنی بیان کرنے والے خود بہت بڑے بے دین اور بے ایمان ہیں۔

لبرلزم کے معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو، یعنی آپ کو اس بات کی آزادی ہے کہ آپ جس مذہب، نظریہ، فلسفہ یا طریقہ زندگی کو صحیح سمجھیں اسے اپنائیں، اس کے مطابق عمل کریں اور دوسروں کے حقوق اور ان کی آزادی کو نقصان پہنچائے بغیر قانون اور اخلاقیات کی حدود میں رہتے ہوئے اس کی تبلیغ کریں۔

سیکیولرزم یہ ہے کہ ریاست کے سب شہری اور ان کے مذہب حکومت کی نظر میں یکساں طور پر محترم ہیں، ریاست کسی ایک مذہب کو ساری قوم پر نافذ

نہیں کرے گی۔ ریاست کا ہر شہری اپنے مذہب پر عمل کرنے اور قانون و اخلاقیات کی دائرے میں رہتے ہوئے اس کی تبلیغ اور پرچار کرنے میں آزاد ہے۔

اگر آپ مسلمان ہیں اور ایک لبرل اور سیکولر معاشرے میں رہ رہے ہوں تو آپ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہوں گے، آپ جتنی نمازیں پڑھنا چاہیں، روزے رکھنا چاہیں، تلاوت کرنا چاہیں، جس سائز کی داڑھی رکھنا چاہیں، جتنی لمبی یا چھوٹی شلوار پہننا چاہیں، آپ کو پوری آزادی ہوگی، لیکن ساتھ ساتھ آپ کو اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ آپ کے کسی عمل سے کسی اور کی آزادی میں خلل نہ پڑے۔

مولوی صاحبان کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر مسلمانوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیئے کیا اچھا ہے؟ ہندوستان کا ایک کٹر ہندو ریاست ہونا یا لبرل اور سیکولر ریاست ہونا؟ امریکہ، برطانیا، فرانس، جرمنی اور دیگر ایسی ہی دیگر مما لک جہاں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے، ان مما لک کا لبرل اور سیکولر ہونا مسلمانوں کے مفاد میں ہے یا کٹر مذہبی ریاستیں ہونا؟

پاکستان جیسا معاشرہ جس میں مسلمانوں کے مختلف فرقے پائے جاتے ہیں، پھر ہر فرقے میں ذیلی فرقے پائے جاتے ہیں، پھیر ذیلی فرقوں میں مزید دھڑے پائے جاتے ہیں، اسلام کے نفاذ کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اور تو اور یہاں اسلام اور مسلمان کی ایسی تعریف تک موجود نہیں جس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہو۔ جب اسلام اور مسلمان کی تعریف پر ہی اتفاق نہیں ہے تو باقی معاملات میں اتفاق کہاں سے آئے گا۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں نفاذِ اسلام، نظامِ مصطفیٰ، نظامِ خلافت، نظامِ ولایت نافذ کرنے کی باتیں کرنے والے صرف اور صرف جھوٹے اور بے ایمان ہیں جو صرف اپنے سیاسی مفادات کی خاطر ایسی فریبکارانہ باتیں کرتے ہیں اور وہ خود بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نظام کی وہ باتیں کرتے ہیں وہ کسی صورت میں قابل عمل نہیں ہے۔ عوام کی سادگی اور عقیدت کی وجہ سے وہ عوام کے مذہبی جذبات سے کھیل کر انہیں بیوقوف بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔

بنا بریں پاکستان جیسے ملک کے لیئے لبرلزم اور سیکیولرزم ہی صحیح اور قابل عمل راستہ ہے۔ اسلامی جمہوریہ، اسلامی نظام، نظام مصطفیٰ، نظام خلافت، نظام ولایت اوران جیسی دوسری ناقابل عمل اور بے معنی باتوں میں ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں اوراس کا نتیجہ سوائے بدبختی اور پسماندگی کے کچھ نہیں نکلا۔ ہمیں اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا۔ پاکستان کے لبرل اور سیکولر طبقے اور میڈیا کو بھی چاہیے کہ عوام کو لبرلزم اور سیکولرزم سے صحیح طرح آشنا کرنے کے لیئے بھرپور کردار ادا کرے تا کہ عوام کو مذہبی طبقے کی بلیک میلنگ سے آزاد کیا جا سکے۔ ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ جس طرح پاکستان کے مسلمانوں کو اسلام کا کچھ پتا نہیں ہے اسی طرح یہاں کے لبرل اور سیکولر حضرات کو لبرلزم اور سیکولرزم کا کچھ پتا نہیں ہے۔

☆☆☆

نائب امام اور حجت خدا؟

عام طور پر شیعہ عوام کے ذہنوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مجتہد، خاص طور پر مرجع تقلید نائب امام ہوتا ہے۔ اس طرح جو شخص کسی مجتہد کی تقلید کر رہا ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ امام زمانہ (علیہ السلام) کے نائب کی پیروی کر رہا ہے اور اس کی بات سے ذرا بھی ادھر ادھر ہونے کو امام زمانہ کی نافرمانی سمجھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نائب امام والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس تحریر میں ہم اس بات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت 8 ربیع الاول 260 ہجری میں ہوئی۔ اسی دن سے حضرت حجت امام زمان (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کے دور امامت اوران کی غیبت صغریٰ کا آغاز ہو گیا۔ آپ اپنے دور امامت کے شروع سے ہی غیبت صغریٰ میں تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کو اور ولادت کے بعد خود ان کو بھی پوشیدہ رکھا گیا، صرف چند انتہائی با اعتماد افراد کے سوا کوئی اس حقیقت سے باخبر نہیں تھا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے

کہ امام زمانہ علیہ السلام سے متعلق سب معاملات غیبت صغریٰ کے مصداق ہیں۔لیکن بحیثیت امام آپ کی غیبت صغریٰ کا دور 8 ربیع الاول 260 ہجری سے شروع ہوااور 15 شعبان 329 ہجری تک جاری رہا۔ یہ عرصہ 69 سال چار ماہ اور 8 دنوں پر مشتمل ہے۔اس عرصہ میں حضرت حجت علیہ السلام نے ایک کے بعد ایک، چار نائب مقرر فرمائے جو شیعہ عوام وخواص کے امام علیہ السلام سے رابطے کا کام کرتے تھے۔ان کے نام اور مدت نیابت کی تفصیل یہ ہے:

(1) عثمان بن سعید عمری۔ یہ گیارہ سال کی عمر سے امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب کے زمرے میں داخل ہوئے۔امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی آپ پر بہت اعتماد تھا۔امام حسن عسکری علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت حجت علیہ السلام کی ولادت کو پوشیدہ رکھا تھا۔صرف چند خاص افراد تھے جنہیں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زندگی میں حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔عثمان بن سعید عمری ان میں سے ایک تھے اورانہیں کئی بار حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(2) محمد بن عثمان بن سعید عمری: جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے یہ حضرت حجت علیہ السلام کے پہلے نائب جناب عثمان بن سعید کے فرزند تھے۔ان کے والد کی وفات کے بعد حضرت حجت علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ان کی وفات 304 یا305 ہجری میں ہوئی۔

(3) حسین بن روح: محمد بن عثمان بن سعید سمری کی وفات کے بعد حضرت حجت علیہ السلام نے جناب حسین بن روح کو جوعلم اور تقویٰ میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ان کی وفات 326 ہجری میں ہوئی۔

(4) علی بن محمد سمری: یہ حضرت حجت کے چوتھے اور آخری نائب تھے۔ان کی وفات 15 شعبان 329 ہجری میں ہوئی۔ان کی وفات سے چھ دن قبل امام علیہ السلام نے انہیں ان سے فرمایا کہ چھ دن بعد تمہاری وفات ہوجائے گی اور تم اپنے بعد کسی کو میرا نائب مقرر نہ کرنا کیونکہ تمہاری وفات کے ساتھ میری غیبت کبریٰ

شروع ہوجائے گی اور جب اللہ کا حکم ہوگا میرا ظہور ہوگا۔

امام علیہ السلام کے ان چار نائبین کو نواب اربعہ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں چار نائب۔ چوتھے نائب علی بن محمد سمری کی وفات کے دن سے، یعنی 15 شعبان 329 ہجری سے کوئی نائب امام نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی نیابت امام کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے اور اگر کوئی خود تو ایسا دعوی نہیں کرتا لیکن اس کے ارادتمند اسے نائب امام کہتے ہوں اور یہ بات اس کے علم میں آجائے اور وہ تردید کرسکنے کے باوجود تردید نہ کرے تو وہ بھی جھوٹا اور کذاب ہے۔

نیابت عامہ:

کہا جاتا ہے کہ چوتھے نائب کی وفات کے بعد امام علیہ السلام کا نائب خاص تو کوئی نہیں ہے لیکن اب ان کی نیابت عمومی ہے اور سب مراجع تقلید ان کے عمومی نائب ہیں۔ یہ بات کہنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ نیابت عمومی کی آڑ میں نیابت کا منصب اپنے پاس رکھا جائے اور شیعہ عوام پر اپنی حاکمیت قائم رکھ کر ان کا استحصال کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے چوتھے نائب کی وفات سے قبل ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری وفات کے بعد میری نیابت خاصہ ختم ہوجائے گی لیکن علماء وفقہاء کو میری نیابت عمومی حاصل ہوگی۔ لہٰذا نیابت عمومی کی بات بالکل بے بنیاد ہے۔ ثانیاً اگر نیابت عامہ نام کی کوئی چیز ہو بھی تو اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی سمجھنے کے لیئے اس مثال پر غور کریں:

فرض کریں پاکستان کے صدر مملکت یا وزیراعظم امریکہ کے دورے پر جاتے ہیں۔ وہاں جاکر وہ امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہیں۔ اس خطاب میں وہ کہتے ہیں کہ آپ سب امریکہ میں پاکستان کے سفیر ہیں، آپ کے اچھے برے عمل سے لوگ پاکستانی قوم کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کریں گے، لہٰذا آپ کو امریکہ میں ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

سفارت عمومی یا نیابت عمومی نام کی کوئی چیز ہوتی ہے تو وہ اس قسم کی ہوتی ۔اس سے کسی شخص کو سفیر یا نائب والی اتھارٹی اور اختیارات حاصل نہیں ہو جاتے ۔لہٰذا امام علیہ السلام کی نیابت عامہ نام کی کوئی چیز اگر ہے تو وہ امام علیہ السلام کے ہر ماننے والے کو حاصل ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

(1)شقرانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کا ایک محب اہل بیت تھا۔لیکن گناہ و بدکاری کے معاملے میں لاابالی رویہ رکھتا تھا۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

ان الحسن من کل احد حسن و انہ منک احسن لمکانک منا و ان القبیح من کل احد قبیح

وانہ منک اقبح لمکانک منا (بحارالانوار 47:349)

ترجمہ:اچھا کام کسی سے بھی ہو،اچھا ہی ہوتا ہے لیکن تم سے ہو تو زیادہ اچھا ہے اس لیئے کہ تمہیں ہم سے نسبت ہے اور برا کام کوئی بھی کرے وہ برا ہی ہوتا ہے لیکن تم کرو تو زیادہ برا ہے اس لیئے کہ تمہیں ہم سے نسبت ہے۔

اسی بات کو ایک حدیث میں آپ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: کونوا لنا زینا ولا تکونوا علینا شینا

ترجمہ:ہمارے لیئے زینت بنو ہمارے لیئے باعث شرمندگی نہ بنو۔ (بحارلانوار 65:151)

بعض لوگ نیابت عامہ کو ثابت کرنے کے لیئے اس روایت کا سہارا لیتے ہیں کہ حضرت حجت علیہ السلام نے فرمایا کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر میری حجت ہیں۔انہم حجتی علیکم ۔لیکن یہ بھی محض ایک فریبکاری ہے۔اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آجائے اور تمہارے اردگرد کوئی ایسا شخص رہتا ہو جو ہماری احادیث اور ہمارے احکام کو جانتا ہو تو اس نئے پیش آنے

والے مسئلہ میں اندھادھنداور جاہلانہ عمل نہیں کرنا بلکہ اس شخص سے حکم شرعی معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔اگرایسانہ کروگےتو قیامت کے دن یہ بہانہ نہیں کرسکوگے کہ میں اس مسئلہ کا حکم نہیں جانتا تھا۔تم سے یہ کہہ کرتمہارا بہانہ ختم کر دیا جائے گا کہ فلاں شخص موجود تھااس سے علم حاصل کیوں نہ کیا؟ یہ ہیں حجت کے معنی۔اس میں نیابت والی بات کہاں سے آ گئی۔

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جب امام علیہ السلام نے یہ ارشاد مبارک فرمایااس زمانے میں احادیث آئمہ کتابوں کی صورت میں ہر ایک کی دسترس میں موجود نہ تھیں۔لہٰذا احادیث آئمہ کو جاننے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ ان احادیث کے علماء کی طرف رجوع کر کے ان سے پوچھا جائے۔لیکن دور حاضر میں جب کہ آئمہ کی احادیث کتب کی صورت میں موجود ہیں اوران کے تراجم بھی موجود ہیں،تو یہ کتب بھی امام علیہ السلام کی حجت ہیں۔مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر میں نہج البلاغہ کا ترجمہ موجود ہےاور وہ تقویٰ کی زندگی نہیں گزارتا تو اس پر حجت تمام ہےاس لیئے کہ تقویٰ کے بارے میں مفصل رہنمائی اس کے گھر میں موجود ہے۔

(اس حدیث انھم حجتی علیکم کے بارے میں مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: تحقیق مسائل تقلید)

حجت کے معنی:

حجت کے معنی میں بہت وسعت اور عمومیت پائی جاتی ہے۔بنیادی طور پر حجت اس دلیل کو کہتے ہیں جس کی موجودگی میں کسی کے لیئے عذراور بہانے کی گنجائش باقی نہ رہے۔مثال کے طور پر ایک شخص اپنے ملازم سے کہتا ہے کہ بازار سے ایک کلو پھل لے آؤ۔اب ملازم بازار جا کر ایک کلو سیب لے آتا ہے۔مالک اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ تم سیب کیوں لائے ہو؟ اس لیئے کہ اس نے ایک کلو پھل کہا تھااور ایک کلو سیب لا کر ملازم نے اس کا حکم پورا کر دیا۔اب حجت ملازم کے حق میں اور مالک کے خلاف ہے۔لیکن اگر مالک اسے یہ حکم دیتا کہ ایک کلو آم لے آؤ اور ملازم ایک کلو آم کی بجائے ایک کلو سیب لے آئے تو اس صورت میں

حجت مالک کے حق میں ہوگی اور وہ ملازم کا مواخذہ کرسکتا ہے۔

حجت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ایک شخص کسی ایسے سرکاری ادارے میں کام کرتا ہے جہاں تنخواہ کم ہے لیکن ناجائز آمدنی کے مواقع بہت زیادہ ہیں اور لوگ ان سے بھرپور فائدہ بھی اٹھارہے ہیں۔لیکن اسی ادارے میں ایک شخص نہایت ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کوئی حرام کی کمائی نہیں کرتا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب ان کا حساب لے گا تو اس وقت حرام کمانے والوں کی طرف سے اگر یہ کہا جائے کہ ہماری آمدنی کم تھی، جائز آمدنی میں گزارہ ممکن نہیں تھا اس لیئے حرام کمانے پر مجبور تھے۔اس وقت اللہ تعالیٰ اس ایماندار اور حلال کی آمدنی پر اکتفا کرنے والے شخص کو حجت کے طور پر ان کے سامنے لے آئے گا کہ یہ بھی تمہاری طرح تھا اور تمہارے حالات جیسے حالات رکھتا تھا۔اس کے باوجود حرام سے اجتناب کرکے رزق حلال کے ساتھ عزت کے ساتھ اپنے معاملات چلاتا رہا۔اگر تم چاہتے تو تم بھی ایسا کرسکتے تھے۔اس سرکاری ادارے میں کام کرنے والے اس ایماندار شخص کا اللہ کی حجت ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اسے اس دنیا میں بھی ان لوگوں پر کوئی حاکمیت اور اتھارٹی حاصل ہوگئی ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں: ایک باایمان مسلمان خاتون کسی ادارے میں کام کرتی ہے۔وہ اپنے فرائض انجام دیتے وقت شرعی حجاب کی پوری طرح سے پابندی کرتی ہے۔اسی ادارے میں اور بھی مسلمان خواتین کام کرتی ہیں جو حجاب کی پابندی نہیں کرتی ہیں اور ان کا بہانہ یہ ہے کہ حجاب کے ساتھ کام کرنا ان کے لیئے بہت مشکل یا ناممکن ہے۔قیامت کے دن اگر وہ اللہ کے سامنے یہ عذر لنگ پیش کریں گی تو اللہ تعالیٰ اس باحجاب خاتون کو حجت کے طور پر ان کے سامنے کھڑا کردے گا کہ یہ بھی اسی ادارے میں اور انہی حالات میں تھی مگر اس نے شرعی حجاب کی پابندی کی۔اگر تم چاہتیں تو تم بھی ایسا کرسکتی تھیں۔اب اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس خاتون کو اپنے ادارے میں کام کرنے والی دوسری خواتین پر کوئی حاکمیت یا اتھارٹی حاصل ہوگئی۔

ایک مثال اور بھی لے لیجئے: اگر آپ یا آپ کے خاندان کو کوئی شخص بیمار ہو جائے تو آپ پر اپنا اور خاندان کے بیمار افراد کا علاج کروانا واجب ہے، اگر آپ علاج نہیں کرواتے تو اللہ کے ہاں گناہگار رہیں اور سزا کے مستحق۔ لیکن اگر علاج مہنگا ہو، مشکل ہو اور دسترس سے باہر تو آپ معذور ہوں گے۔ لیکن اگر آپ کے قرب وجوار میں جہاں تک آپ آسانی سے آجا سکتے ہوں، کسی شخص یا تنظیم نے فری ڈسپنسری یا ہسپتال بنوایا ہوا ہے اور آپ وہاں سے علاج نہیں کرواتے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے باز پرس کرے گا۔ آپ کوئی بہانہ بنائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے کہہ دے گا کہ فلاں شخص یا تنظیم کا فری شفاخانہ موجود تھا تم نے علاج کیوں نہیں کروایا۔ یعنی یہ شفاخانہ، خواہ کسی غیر مسلم فرد یا تنظیم کا ہو، اللہ کی طرف سے آپ پر حجت ہے۔ اب اس شفاخانے کے حجت ہونے کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ اس شفاخانہ کے مالک فرد یا تنظیم کو دنیا میں آپ پر حکومت کرنے کا اختیار بھی ہے۔

اگرچہ ان مثالوں سے بات کافی حد تک واضح ہوگئی ہے لیکن ایک اور مثال بھی دیکھ لیجیے: آپ کسی اعلیٰ سرکاری یا معاشرتی منصب پر فائز ہیں اور ظاہری مال ودولت کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ صاحب حیثیت ہیں۔ آپ کا کوئی گھریلو ملازم، خانساماں، مالی، ڈرائیور وغیرہ ایک دین دار اور باعمل شخص ہے اور دینی مسائل کا علم رکھتا ہے اور اس بات کا علم آپ کو بھی ہے۔ پھر آپ کو کوئی مسئلہ پیش آجاتا ہے، آپ اپنے اس ملازم سے جس کی حیثیت آپ سے بہت کم تر ہے، اس مسئلہ کا حکم پوچھ سکتے ہیں لیکن نہیں پوچھتے اور بغیر علم کے کوئی غلط قدم اٹھا لیتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ آپ کے اس ملازم کو آپ پر حجت کے طور پر پیش کردے گا کہ میرا یہ بندہ جو میرے احکام کا علم رکھتا تھا تمہارے گھر میں رہتا تھا، جب تم جانتے تھے کہ وہ ان مسائل کا علم رکھتا ہے تو اس سے پوچھا کیوں نہیں۔ اب یہ ملازم آپ پر اللہ کے سامنے حجت ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسے آپ پر حکومت اور حکمرانی کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ علماء کے حجت ہونے کا بالکل یہی مطلب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انہیں کوئی حاکمیت اور حاکمانہ اختیارات بھی حاصل ہو گئے ہیں۔

علماء اس لحاظ سے حجت ہیں کہ اگر کوئی شخص احکام شرعی کا علم نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ علماء سے علم حاصل کرے۔ اگر علم حاصل نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ فرمائے گا کہ تمہارے معاشرے میں علماء موجود تھے، تم نے ان سے علم حاصل کیوں نہیں کیا۔ حجت کے یہی معنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں اس طرح بیان ہوئے ہیں: (بحارالانوار جلد 1، ابواب العلم، باب 1 حدیث 58)

وقد سئل عن قوله تعالیٰ: فلله الحجة البالغه ۔ فقال: ان الله تبارك وتعالیٰ یقول للعبد یوم القیامة: ا کنت عالما؟ فان قال نعم قال له افلا عملت بعلمك ۔ وان قال کنت جاھلا قال له افلا تعلمت حتی تعمل؟ فیخصمه وذالك حجة الله البالغه

ترجمہ: آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: اللہ کی حجت بالغ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا: تم عالم تھے؟ اگر اس نے کہا تو: ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر تو نے اپنے علم کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا؟ اور اگر اس نے کہا کہ میں جاہل تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے علم حاصل کیوں نہیں کیا تا کہ اس کے مطابق عمل کرتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس پر دلیل قائم کردے گا اور یہی حجت بالغہ ہے۔

اس حدیث سے حجت کے معنی اچھی طرح واضح ہوجاتے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں عالم اس معنی میں حجت ہے کہ آپ نے اس سے علم حاصل کرنا ہے، اگر علم حاصل کیئے بغیر اندھا دھند عمل کریں گے تو قیامت کے دن آپ سے کہا جائے گا کہ فلاں عالم تمہاری دسترس میں تھا، تم نے علم حاصل کیوں نہیں کیا۔ اس طرح حجت ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ علماء کو ان پر کوئی اقتدار اور حاکمیت حاصل ہوگئی ہے۔

بنابریں زمانہ غیبت کبریٰ میں کوئی نائب امام نہیں ہے۔ نیابت عمومی نام کی کوئی چیز ہے تو وہ فقہاء اور مجتہدین میں محدود نہیں ہے، بلکہ وہ ہر شیعہ کو حاصل ہے، کہ وہ امام علیہ السلام کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرکے ان کے لیئے زینت بنے، ان کے لیئے بدنامی کا سبب نہ بنے۔ علماء

کے لیئے اگر نیابت عمومی ہے تو وہ اس حد تک کہ وہ آئمہ معصومین کے احکام کو بیان کرنے کے ذمہ دار ہیں اور یہ نیابت عمومی قم یا نجف میں بیٹھے چند بزرگ افراد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ شیعہ جو احکام دین کا علم رکھتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے یا دے سکتا ہے، اور امر بالمعروف و نہی از منکر کرتا ہے اسے بھی یہ نیابت حاصل ہے، خواہ بظاہر وہ آپ کا ملازم اور چپڑاسی ہی کیوں نہ ہو۔

☆☆☆

رؤیت ہلال

ہمارے ملک میں رؤیت ہلال یعنی چاند دیکھنے کا مسئلہ بھی ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ خاص طور پر ماہ مبارک رمضان اور عیدالفطر پر تو عجیب صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر میں کچھ مومنین نے اول رمضان کا روزہ رکھا ہوتا ہے اور کچھ مومنین کی نظر میں وہ 30 شعبان کا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ مومنین 29 روزے رکھ کر عیدالفطر منا رہے ہوتے ہیں اور کچھ مومنین نے روزہ رکھا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اول ماہ کے ثبوت کا راستہ کیا ہے؟ اس حوالے سے مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

1۔ خود چاند دیکھنا۔ اگر کسی شخص نے قمری ماہ کے 29 دن پورے ہونے کے بعد شام کو خود اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ لیا تو اس کے لیئے اگلا دن نئے مہینے کا پہلا دن ہے۔ خواہ سارا شہر اور سارا ملک گلے دن کو تیس تاریخ قرار دے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ نے چاند غیر مسلح آنکھ سے دیکھا ہے یا طاقتور دوربین سے۔

2۔ شہرت۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شہر میں اتنے زیادہ لوگوں نے چاند دیکھ لیا ہو کہ اس سے چاند نظر آ جانے کی خبر پورے شہر میں اس طرح مشہور ہو گئی ہو کہ سب کو چاند کے نظر آ جانے کا یقین آ جائے۔

3۔دو عادل افراد کی گواہی۔اگر دو عادل افراد گواہی دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

(1440 ہجری یعنی 2019 میں صوبہ خیبر پختون خواہ میں 160 سے زائد افراد نے گواہی دی کہ انہوں نے کا چاند دیکھا ہے۔ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر گواہی دی کہ انہوں نے شوال کا چاند دیکھا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب گواہیاں جھوٹی تھیں اس لیئے کہ سائنسی لحاظ سے اس دن چاند نظر آنے کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں تھا۔اتنے وسیع پیمانے پر جھوٹی گواہیوں کے بعد شہرت اور عادل گواہوں والا معاملہ بھی کافی کمزور ہو جاتا ہے۔ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے،اگر کسی کی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر چاند کا فیصلہ کر دیا گیا تو جتنے لوگ عید کریں گے ان سب کے روزہ نہ رکھنے کا گناہ جھوٹی گواہی دینے والوں کی گردن پر ہوگا اور قیامت کے دن وہ اس کے جواب دہ ہوں گے۔لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ گواہی کے معاملے میں،خاص طور پر چاند دیکھنے کی گواہی کے معاملہ میں بہت احتیاط سے کام لے۔)

4۔تیس دن پورے ہو جانا۔یعنی اگر قمری ماہ کے 30 دن پورے ہو جائیں تو اس سے اگلا دن اگلے مہینے کی پہلی تاریخ ہوگا۔اس لیئے کہ قمری مہینہ 29 دن سے کم اور 30 دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

5۔سائنس دانوں کی پیشین گوئی۔

رؤیت ہلال کے معاملے میں سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ سائنس دان اگلے ایک ہزار سال کا کیلنڈر بنا کر دے سکتے ہیں۔امریکی خلائی ادارے ناسا کی ویب سائیٹ پر اگلے ایک ہزار سال کے سورج گرہن اور چاند گرہن کی تفصیلات موجود ہیں۔یہ تفصیلات اتنی دقیق ہیں کہ ان میں یہ تک بتا دیا گیا ہے کہ اگلے ایک ہزار سال میں لگنے والے چاند گرہن اور سورج گرہن دنیا کے کس کس خطے میں کتنی کتنی دیر تک دیکھے جا سکیں گے۔بنا بریں ان سائنسی ماہرین کی پیشین گوئی وہی

حکم رکھتی ہے جو اپنی آنکھوں سے چاند دیکھنے کا ہے۔اس مسئلہ کے حل کا بہترین راستہ یہی ہے کہ اس بارے میں سائنس دانوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

استاد محترم آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ نے تہران یونیورسٹی اور اصفہان یونیورسٹی کے سائنسدانوں سے ایک میٹنگ کی تھی اور ان سے پوچھا تھا کہ رؤیت ہلال کے بارے میں سائنسدانوں کی پیشین گوئی میں غلطی کا امکان کتنا ہوتا ہے۔ان ماہرین کا جواب تھا کہ ہماری پیشین گوئی میں غلطی کا امکان صفر فیصد ہوتا ہے۔اس پر استاد محترم نے فرمایا تھا کہ اگر ایسا ہے تو سائنس دانوں کی پیشین گوئی کا وہی حکم ہے جو خود اپنی آنکھ سے چاند دیکھنے کا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک ہمارے ملک میں سائنس کی خدمات نہیں لی جاتیں تو اس وقت تک اس مسئلہ کو کیسے حل کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہمیں رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے پر اعتماد کرنا ہوگا۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔ایک یہ کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے علاوہ صوبائی اور اور زونل رویت ہلال کمیٹیاں بھی ہیں۔ ہر کمیٹی میں شیعہ علماء بھی موجود ہیں۔ یہ سب حکومت پاکستان کی طرف سے پاکستان کے مسلمانوں کے نمائندوں اور وکیلوں کی حیثیت سے چاند دیکھنے کا کام کرتے ہیں۔رؤیت ہلال کے بارے میں غلط بیانی کرنے کا کسی سیاسی اور مالی مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ انہوں نے فلاں سیاسی یا مالی مفاد کے لیئے جان بوجھ کر رؤیت ہلال کے بارے میں غلط بیانی کی ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ سب فرقوں کے علماء اس بات کو جانتے ہیں کہ پوری قوم کو روزے اور عید کے بارے میں گمراہ کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور ان کے فیصلے سے اگر لوگوں کا روزہ یا عید ضائع ہو جائے تو اللہ کے ہاں اس کی سخت گرفت ہوگی۔ان سب کے اس ایمان کی وجہ سے بھی ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔جب مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی، صوبائی اور زونل کمیٹیوں میں شیعہ عالم دین بھی موجود ہیں تو ان کی بات پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جب تک کہ کوئی بددیانتی ظاہر نہ ہو جائے۔

اس بارے میں عوام اور مذہبی تنظیموں کو بھی اپنے اپنے علاقوں میں چاند دیکھنے کا زوردار اہتمام کرنا چاہیے تاکہ رؤیت ہلال کمیٹی کو زیادہ سے زیادہ معتبر شہادتیں موصول ہو سکیں اور انہیں رؤیت ہلال کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

جہاں تک قم اور نجف کے علما کے فتوے اور حکم کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ سال 1439 ہجری (2018) میں نجف میں آیت اللہ سیستانی نے روزہ رکھوایا اور آیت اللہ بشیر حسین اور آیت اللہ خامنہ ای نے عید کروائی۔ جو علماء و مجتہدین نجف میں ایک عید نہ کروا سکے، ان میں اس بات کی اہلیت کہاں سے آ گئی کہ پاکستان اور ہندوستان اور دنیا بھر کے مومنین ان کے فتویٰ کے مطابق روزہ رکھیں اور عید کریں۔

اس بارے میں بنیادی اور اصل بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سائنسدانوں کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس مسئلہ سے ہمیشہ کے لیئے جان چھڑائی جائے۔ سورہ یاسین کی آیت 39 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ

ترجمہ: ہم نے چاند کی منازل مقرر کر دی ہیں، (وہ ان منازل کو طے کرتا جاتا ہے) یہاں تک کہ وہ دوبارہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی مانند ہو جاتا ہے۔

زمانہ قدیم میں جب علم فلکیات ترقی یافتہ نہیں تھا تو منازِلِ قمر کا علم بھی بہت محدود تھا، سائنسی ترقی کے نتیجہ میں انسان نے منازل قمر کے علم میں اتنی مہارت حاصل کر لی ہے کہ اس علم کے ماہرین اگلے ایک سو سال کا چارٹ بنا کر دے سکتے ہیں کہ کس خطے میں کس دن چاند کس منزل پر ہو گا۔ ایسی صورت میں ماہرین کی بات اتنی ہی معتبر ہے جیسے انسان نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ لیا ہو۔ قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر لفظ رؤیت ''یقینی علم'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اَلَمْ تَرَ (کیا تم نے نہیں دیکھا) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ غور و فکر کر کے حقیقت کو جاننا مراد ہے۔ جیسا کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَاجَّ اِبْرٰهِيْمَ (کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اپنے رب کے بارے میں بحث کی) ظاہر سے بات ہے کہ یہاں

آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے۔لہٰذا رؤیت کے لیئے آنکھ سے دیکھنے پر اصرار کرنا دور جہالت میں پھنسے رہنے پر اصرار کرنے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ بنابریں چاند کے معاملے میں سائنس دانوں کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق عمل کرنا ہی عقلمندی ہے، جیسا کہ سحر وافطار کے معاملہ میں ہوتا ہے۔سحری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ:187)

ترجمہ: کھاؤ پیو یہاں تک کہ رات کی سیاہ دھاری فجر کی سفید دھاری سے نمایاں ہو جائے۔

اسی آیت کے اگلے جملے میں افطاری کے بارے میں حکم ہے: ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ترجمہ: پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔ لیکن سحری کے وقت ہم میں سے کوئی بھی خود طلوع فجر کو نہیں دیکھتا، نہ ہی افطار کے لیئے ''لیل'' یعنی رات کو دیکھنے کا کوئی اہتمام کیا جاتا ہے۔سائنس دانوں نے سحر وافطار کے اوقات کے بارے میں جو پیشین گوئی کر دی ہوتی ہے اور جو جدول ماہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے بنا دیا ہوتا ہے اسی کے مطابق روزہ بند کیا اور کھولا جاتا ہے۔جس طرح سحر وافطار کے معاملے میں سائنس پر اعتماد کیا جا رہا ہے، عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اول ماہ کے بارے میں بھی یہی طریقہ اور رویہ اختیار کیا جائے۔ اول ماہ کے بارے میں ان کی علمی گواہی کو قبول نہ کرنا ایک غیر معقول رجعت پسندی اور تاریک فکری کے سوا کچھ نہیں ہے۔لیکن آخر کار رجعت پسندی کو اس مسئلہ میں سائنس کے ہاتھوں شکست ہوگی، جس طرح بعض مسائل میں ہو چکی ہے۔بہتر ہوگا کہ مزید کچھ سال ضائع کرنے کی بجائے آج ہی حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے۔

☆☆☆

چندسوالات اوران کے جوابات

ان سوالات میں سے اکثر سوالات ہماری ویب سائیٹ www.drhamadani.com پر ویو پوائنٹ (view points) کے عنوان سے موجود ہیں ۔ان کی افادیت کے پیش نظر،اور کچھ اور سوالات کا اضافہ کر کے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

پہلے سوالات کی فہرست ملاحظہ فرمالیں بعد میں ترتیب واران کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

1۔روحانی زندگی کیا ہے؟

2۔سائنس اورٹیکنالوجی میں ترقی کے اس دور میں روحانی زندگی کی کیا ضرورت باقی ہے؟

3۔کیا روحانی زندگی گزارنے کیلیئے دنیا کو ترک کرنا ضروری ہے؟

4۔کیا روحانی زندگی گزارنے کے لیئے باقاعدہ تربیت لینا ضروری ہے؟

5۔کیا روحانی زندگی گزارنے کے لیئے عرفان وتصوف کے علم سے استفادہ کرنا درست ہے؟

6۔دورحاضر میں عالمی سطح پر اسلام کی سربلندی کے لیئے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

7۔پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا لیکن 70 سال گزرجانے کے باوجود یہاں اسلام کیوں نافذ نہ ہوسکا؟

8۔عربی کے بغیر قران مجید کا صرف ترجمہ پڑھنے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

9۔کیا نظامِ خلافت قائم ہو جانے سے مسلمانوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں؟

10۔ اسلام میں موسیقی کا کیا حکم ہے؟

11۔مصوری اور مجسمہ سازی کا کیا حکم ہے؟ کیا جاندار اور بے جان اشیاء کا حکم مختلف ہے؟

12۔آج کل روشن خیالی کے بارے میں متضاد باتیں کی جا رہی ہیں۔اس بارے میں صحیح رویہ کیا ہے؟

13۔تقلید کی کیا حقیقت ہے؟

14۔عام شہریوں پر خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

15۔ مسئلہ خمس کی حقیقت؟

16۔عزداری امام حسین علیہ السلام کی اہمیت؟

17۔دور حاضر میں جہاد؟

18۔کیا نجات کے لیئے مسلمان ہونا ضروری ہے؟

19۔داڑھی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

20۔سفر میں نماز اور روزے کا حکم؟

21۔شیعہ خواتین کی طلاق بذریعہ عدالت؟

22۔کیا ضروری ہے کہ نکاح کے صیغے اور نماز جنازہ مولوی پڑھائے؟

23۔غیر مسلموں کی نجاست؟

24۔تولیٰ اور تبریٰ کی اہمیت کیا ہے اور دور حاضر میں جبکہ امن برقرار رکھنا معاشرے کی اہم ضرورت ہے تولیٰ اور تبریٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

25۔مسلمان مرد غیر مسلم عورت سے شادی کر سکتا ہے؟

26۔کیا قادیانی عورت سے نکاح جائز ہے؟

27۔کیا خواتین کے لیئے پولیس یا فوج میں ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے؟

28۔غیر شیعہ امام جماعت کی اقتداء میں نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

☆☆☆

سوال: روحانی زندگی کیا ہے؟

جواب: روحانی زندگی کی تعریف مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں کی ہے لیکن سب کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔جسم اور روح دونوں کے اپنے اپنے تقاضے اور خواہشات ہیں۔اگر انسان کی زندگی میں جسم اور جسمانی تقاضے حاکم اور روح اور روحانی تقاضے محکوم ہوں تو ایسی زندگی کو مادی، حیوانی یا طبیعی زندگی کہیں گے۔اس کے برعکس اگر روح اور اس کے تقاضے حاکم اور جسم اور اس کے تقاضے محکوم ہوں تو اس زندگی کو روحانی زندگی کہا جائے گا۔

ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا تو ان میں صرف عقل رکھی، اس نے چوپایوں کو پیدا کیا تو ان میں صرف شہوات (حیوانی خواہشات) رکھیں، اس نے انسان کو پیدا کیا اور ان میں یہ دونوں رکھ دیں۔ اب جس کی عقل اس کی شہوات پر غالب ہے وہ فرشتوں سے افضل ہے اور جس کی شہوات اس کی عقل پر غالب ہوں وہ چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔'' (بحارالانوار 299:57)

اس حدیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے اندر ایک فرشتہ اور ایک حیوان رہتا ہے۔ اگر انسان کے وجود پر اس کے اندر کے حیوان کی حکومت قائم ہو تو اس کی زندگی حیوانی زندگی ہوگی اور اگر اس کے وجود پر اس کے اندر کے فرشتے کی حکومت قائم ہو تو یہ روحانی زندگی کہلائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام آسمانی کتابوں اور رسولوں کے بھیجے جانے کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو حیوانی سطح سے اٹھا کر روحانی زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے۔

☆☆☆

سوال: سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے اس دور میں روحانی زندگی کی کیا ضرورت باقی ہے؟

جواب: سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور مادی زندگی میں تیزی کے دور میں روحانیت کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔ یہ سوال عام طور پر ایسے لوگوں کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ روحانیت کی وجہ یہ ہے کہ کائنات پر حاکم قوانین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ماضی میں لوگ خدا اور روحانیت جیسی چیزوں میں پناہ لیتے تھے لیکن اب جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے کائنات پر حاکم قوانین اور اسباب کا پتہ چل گیا ہے تو ایسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ سوچ سراسر غلط ہے۔ اگر یہ سوچ درست ہوتی تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ معاشرے ذہنی اور روحانی سکون کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جس قدر مادی اور سائنسی ترقی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اسی تناسب سے انسان کی ذہنی ناآسودگی میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔انسان کو حقیقی خوشی اور کمال اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب وہ جسم اور روح دونوں کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرے۔سائنس اور ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے انسان کو جسم اور مادی معاملات میں اس قدر زیادہ الجھا دیا ہے ہ وہ اپنی روح سے بہت غافل اور بے تعلق ہو گیا ہے اور اگر روحانیت کی طرف سے غفلت کا یہی حال رہا تو انسان مشین کا پرزہ یا روبوٹ بن کر رہ جائے گا،اور تمام تر مادی ترقی کے باوجود اس کی زندگی سے سکون اور طمینان کا خاتمہ ہو جائے گا،اور کافی حد تک ایسا ہو بھی چکا ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی ساتھ روحانیت بھی ہوتی تو سائنس اور ٹیکنالوجی کبھی ایٹم بم اور دوسرے مہلک ہتھیار تیار نہ کرتیں۔اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دنیا میں بڑھتی ہوئی بے امنی،عالمی تنازعات اور ہر قسم کے جھگڑوں اور اختلافات کا حل بھی روحانیت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔مادیت ہو یا روحانیت کے بغیر مذہب،دونوں ہی جھگڑوں کی ایک اہم وجہ ہیں۔مادی مفادات میں ٹکراؤ اختلافات اور جھگڑوں کا ایک اہم سبب ہے۔اسی طرح روحانیت کے بغیر مذہب بھی صرف فساد ہی پیدا کرتا ہے۔فساد کے ان دونوں اسباب کا خاتمہ صرف روحانیت کے فروغ سے ہی ممکن ہے۔

☆☆☆

سوال: کیا روحانی زندگی گزارنے کے لیئے باقاعدہ تربیت لینا ضروری ہے؟

جواب: روحانی زندگی گزارنے کے لیئے باقاعدہ تربیت لینا ضروری نہیں ہے۔انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر خیر اور شر کی شناخت اور نیکی کی راہ پر چلنے کی خواہش رکھ دی ہے۔قرآن وسنت میں بھی مکمل رہنمائی موجود ہے۔گزشتہ انبیاء پر نازل ہونے والی آسمانی کتب بھی بہترین روحانی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔اگر انسان اللہ کی خوشنودی اور اس کے قرب کے حصول کی خاطر نیکی کی راہ پر چلے اور برائی سے اجتناب کرے،خاص طور پر اللہ کے بندوں کے ساتھ عدل

اور احسان اور محبت کے ساتھ پیش آئے تو اس کی زندگی میں روحانیت کا رنگ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اگر انسان کو صحیح تربیت میسر آجائے تو وہ سالوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر لیتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

دم عارف نسیم صبح دم ہے — اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

لہٰذا اگر روحانی تربیت میسر ہو تو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے بلکہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ایسا کوئی شعیب میسر آجائے۔

☆☆☆

سوال: کیا روحانی زندگی گزارنے کی لیئے دنیا کو ترک کرنا ضروری ہے؟

جواب: ہرگز نہیں۔ روحانی زندگی گزارنے والے اور اس کی تربیت دینے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نام برسر فہرست ہیں۔ کیا یہ دونوں عظیم روحانی رہنما تارک الدنیا تھے؟ ہرگز نہیں۔ اصل روحانیت یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہے، تمام مادی اور دنیوی معاملات میں بھی بھرپور طرح سے شریک رہے اور اس کے باوجود اپنی روح کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا روحانی تعلق نہ صرف قائم رکھے بلکہ اسے بہتر سے بہتر بناتا جائے۔ مولانا رومی نے یہ بات بہت خوبصورت انداز میں اس طرح بیان کی ہے:

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن — نے طلا و نقرہ و فرزند و زن

''دنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہو جانا نہ کہ بیوی بچے اور سونا چاندی''۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنیادی طور پر اسلامی روحانیت کا دین ہے ۔ اسلامی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ ہم اسلامی احکامات کے مطابق اس طرح زندگی گزاریں کہ ہماری مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ ہماری روحانی نشوونما بھی ہوتی رہے اور ہم ہر دن کے خاتمہ پر روحانی لحاظ سے اپنے رب کے قریب تر ہوجائیں۔

☆☆☆

سوال: کیا روحانی زندگی گزارنے کے لیئے عرفان وتصوف کے علم سے استفادہ کرنا درست ہے؟

جواب: فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، علم کلام، علم تفسیر کی طرح عرفان اور تصوف بھی اسلامی علوم ہیں ۔ یہ سب علوم غیر معصوم علماء نے مدون کیئے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ غیر معصوم علماء کے کام میں غلطی کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ان سب علوم میں جو چیزیں قرآن مجید اور سنت قطعیہ کے مطابق ہیں وہ درست اور قابل قبول ہیں اور جو چیزیں قرآن اور سنت کے خلاف ہیں ان سے اجتناب لازم ہے۔روحانی زندگی گزارنے کے خواہشمند افراد کے لیئے علم عرفان وتصوف میں بہت سی مفید رہنمائی موجود ہے۔اس سلسلہ میں یہ بنیادی اصول ہمیشہ پیش نظر رہے کہ علم عرفان وتصوف ہو یا کوئی اور علم ، جہاں تک قرآن وسنت کے مطابق ہوگا قابل قبول ہوگا اور جہاں قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہوگا قابل قبول نہیں ہوگا۔جیسا کہ خلاصہ مسائل تقلید میں بیان ہو چکا ہے سب مومنین اور مومنات پر لازم ہے کہ قرآن مجید، نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنا لازمی ہے تا کہ تمام علوم کی صحیح اور غیر صحیح باتوں کی پہچان کی صلاحیت اور بصیرت پیدا ہوجائے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیعہ علماء نے تصوف کی بجائے سیر وسلوک کا لفظ استعمال کیا ہے۔سید مہدی بحر العلوم کا رسالہ ''سیر وسلوک'' اس سلسلہ میں بہت مشہور اور بہت عمدہ ہے۔جس پر بہت سے علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔اسی ترتیب پر اسی نام سے مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی کے رسالہ کا اردو ترجمہ بھی

موجود ہے۔انگریزی میں اس کا ترجمہ:(The Light Within)کے نام سے ہوا ہے۔اسی طرح علامہ حسن مصطفوی کی کتاب'' لقاءاللہ''،اس سلسلہ میں بہت عمدہ ہے۔اردو میں اس کا ترجمہ اس حقیر نے کیا ہے۔اسی نام سے ایک رسالہ میرزا جواد تبریزی ملکی نے بھی تالیف کیا ہے، وہ بھی بہت خوب ہے۔ان کی کتاب'' اسرارالصلوٰۃ'' بھی اس سلسلہ میں بہت مفید اور نفیس کتاب ہے۔اہل سنت صوفیاء کی لکھی ہوئی کتابوں میں خواجہ عبداللہ انصاری کی''منازل السائرین'' اور ''صدمیدان'' جبکہ ہمدانی سادات کے جد بزرگوار میر سید علی ہمدانی رحمت اللہ علیہ کی''دہ قاعدہ'' اور ''چہل مقام صوفیہ'' مفید کتب ہیں۔

☆☆☆

سوال: دورحاضر میں عالمی سطح پر اسلام کی سربلندی کے لیئے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب: اگر عالمی سطح پر اسلام کی سربلندی کے معنی عالمی سطح پر اسلام کو نافذ کرنے کے ہیں تو یہ بالکل ناممکن بات ہے۔عقلمند آدمی کو یہ بات اپنے دل سے نکال دینی چاہیئے۔عالمی سطح پر نفاذ اسلام صرف حضرت امام مہدی سلام اللہ علیہ کے دست مبارک سے ہوگا۔ملاؤں کا کوئی گروہ یا کوئی اسلامی تحریک یہ کام نہیں کرسکتی۔اس کی واضح سی وجہ یہ ہے کہ ہر تحریک اور ملاؤں کی ہر جماعت کا تعلق کسی نہ کسی فرقے سے ہوتا ہے اور وہ اسلام کی نہیں بلکہ صرف اپنے فرقے کی بالادستی کے بارے میں سوچتے ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ آج مسلمانوں کے پاس اسلام اور مسلمان کی کوئی واضح تعریف تک موجود نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو کافر قرار دے رہا ہے۔اگر اسلام اور مسلمان کی (2+2=4) کی طرح کوئی واضح تعریف موجود ہوتی تو ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کا یہ مکروہ کھیل کھیلنے کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔یہ کس قدر بھونڈی اور بے عقلی کی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاس اسلام اور مسلمان کی کوئی واضح اور متفقہ تعریف تک تو موجود نہیں ہے اور خواب دیکھ رہے ہیں عالمی سطح پر اسلام کی سربلندی کا۔

ہاں !اگر عالمی سطح پر اسلام کی سر بلندی کے معنی عالمی سطح پر اسلام کے بارے میں مثبت اور اچھی رائے عامہ قائم کرنا ہے تو اس کا واحد اور آسان راستہ یہ ہے کہ اسلام کو ماننے والے اسلام کی اعلیٰ ترین اخلاقی و روحانی تعلیمات اور ہدایات کو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نافذ کر کے دنیا کو اسلامی حسنِ اخلاق کا عملی نمونہ دکھائیں۔ کس قدر غیر معقول بات ہے کہ اپنے چند مکعب فٹ کے وجود پر تو اسلام نافذ کرنے کے لیئے تو کوئی تیار نہیں ہے، دنیا کے 57 اسلامی ممالک میں سے ایک بھی ایسا نہیں جہاں اسلام نافذ ہو لیکن دنیا بھر میں غلبہ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خواہش ہر ایک کو بے چین کیئے ہوئے ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام محبت اور رحمت کا دین ہے اور عالمی سطح پر اسلام کا حقیقی اور روشن چہرہ نمایاں کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ اسلام کے ماننے والے ساری دنیا کے لیئے محبت اور رحمت بن جائیں۔ دوسروں کو مردہ باد کہنے سے، ان کے پرچم جلانے سے، جہاد کے نام پر فساد، دہشت گردی اور خود کش حملوں جیسے اقدامات سے اشاعت اسلام کی راہ میں مزید رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ رحمۃٌ للعالمین کے ماننے والوں کو بھی تمام عالم کے رحمت بننا ہوگا جبکہ فی الحال تو وہ ''نفرتٌ للعالمین'' (ساری دنیا کے لیئے نفرت) بنے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

سوال: پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا لیکن 70 سال گزر جانے کے باوجود یہاں اسلام کیوں نافذ نہ ہو سکا؟

جواب: یہ ایک انتہائی بے جا سوال ہے اور جس قدر یہ بے جا ہے اسی قدر زور و شور سے اسے اٹھایا جاتا ہے۔ سعودی عرب وہ ملک ہے جہاں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے قرآن اور اسلام کا نزول ہوا۔ کیا وہاں اسلام نافذ ہو چکا ہے؟ مصر، عراق، اردن، شام، ایران وغیرہ دور خلافت میں فتح ہوئے اور اسلامی مملکت کا حصہ بن گئے، کیا ان ممالک میں اسلام نافذ ہو چکا ہے؟ اگر ڈیڑھ ہزار سال پرانے اسلامی ممالک میں ابھی تک اسلام نافذ نہیں ہو سکا تو ایک ستر سالہ ملک میں

اسلام نافذ نہ ہونے پر شور وغوغا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس مسئلہ کو مزید واضح کرنے کے لیئے اس کی ایک چھوٹی تصویر بنا کر اس پر غور کرتے ہیں۔آیئے ہم 25 سال کو ایک سال کے برابر اور ہر اسلامی ملک کو ایک شخص کی مانند تصور کرتے ہیں۔اس طرح سعودی عرب (جسے درحقیقت محمدی عرب کہنا چاہیے) ایک ایسے شخص کی مانند ہوگا جس کی عمر 58 سال ہے۔

اسی طرح ایران، عراق، مصر، اردن، شام اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک 50 سے 56 سال تک کی عمر کے اشخاص تصور کئے جائیں گے جبکہ پاکستان بمشکل اڑھائی سالہ یا تین سالہ بچے کی مانند قرار پائے گا۔ جہاں 58 سالہ، 57 سالہ، 56 سالہ اور 50 سالہ مسلمان اسلام اور شریعت کے مطابق عمل نہ کر رہے ہوں وہاں ایک اڑھائی، تین سالہ بچہ اگر اسلام اور شریعت کے مطابق عمل نہیں کر رہا تو اس پر شور مچانا کس قدر احمقانہ حرکت ہوگی۔البتہ اس بات کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ پاکستان میں اسلامی احکام اور اقدار کو فروغ دینے کی کوششیں نہ کی جائیں۔اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمیں غیر معقول اور جذباتی رویوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔اسلام کے بارے میں ہر مسلمان جو کچھ جانتا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرنا شروع کر دے تو اس طرح معاشرے میں اسلام پر عمل شروع ہو جائے گا۔لوگ اسلام پر عمل نہ کرنا چاہیں اور حکومت ڈنڈے کے زور سے اسلام پر عمل کروائے تو اس سے اسلام نافذ نہیں ہوگا بلکہ منافقت پیدا ہوگی۔ یہاں اس نکتہ کی طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے کہ جن ایک دو ممالک کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں اسلامی نظام نافذ ہو چکا ہے، درحقیقت وہاں اسلامی احکام کی سب سے زیادہ مخالفت کی جارہی ہے۔اسلام کا بنیادی مقصد انسانی معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور قانون کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف قائم کریں۔(حدید:25)

لیکن جن ممالک کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہاں اسلامی نظام قائم ہے وہاں اسلام کے نام پر بدترین ظلم وستم ہو رہا ہے اور بنیادی انسانی حقوق کی سب سے زیادہ خلاف ورزی بھی انہی ممالک میں ہو رہی ہے۔

☆☆☆

سوال: عربی کے بغیر قران مجید کا صرف ترجمہ پڑھنے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید بندوں کے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔ قرآن مجید پڑھنے کا مقصد اللہ کے پیغام کو سمجھنا ہے تا کہ اس پر عمل کیا جا سکے۔ قرآن مجید پڑھنے کی مندرجہ ذیل صورتیں قابل تصور ہیں:

1-آپ عربی زبان جانتے ہوں اور عربی میں قرآن مجید پڑھیں، یہ سب سے بہتر صورت ہے۔

2-آپ عربی زبان نہیں جانتے، ایسی صورت میں آپ (اپنی یا کسی اور زبان میں جو آپ اچھی طرح جانتے ہیں) قرآن مجید کا ترجمہ پڑھیں اور قران کے اصل متن (Text) کے ساتھ رابطے کے لیئے عربی بھی پڑھ لیں۔ یہ بھی بہت اچھا طریقہ ہے۔

3-آپ عربی زبان نہیں جانتے اور عربی عبارت اور ترجمہ میں سے کسی ایک کو پڑھ سکتے ہیں۔ آخری صورت میں صرف ترجمہ پڑھنا صرف عربی پڑھنے سے بہتر اور مفید ہے۔ اس سلسلے میں جو طریقہ میں عام طور پر تجویز کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ابتداء میں آپ تفسیر کے بغیر، چند اچھے تراجم کا انتخاب کر لیں۔ جس طرح کسی بھی کتاب کے ترجمہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تفسیر کے بغیر صرف ترجمہ کا مطالعہ کریں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ قرآن مجید کی عبارات کے سادہ ترجمہ سے کسی حد تک واقفیت ہو جائے گی۔ ایک سے زائد تراجم کو پیش نظر رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تراجم کے اختلاف سے بھی قدرے آگاہی ہو جائے گی۔ ترجمہ قرآن کا مطالعہ کرتے

وقت تلاوت قرآن کے ان آداب کی بہت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے جن کا ذکر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ ہمام میں کیا ہے۔

چند بار اس طرح صرف ترجمہ کا مطالعہ کرنے کے بعد تفاسیر کے مطالعہ کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔تفاسیر کے مطالعہ میں اس بات کا خیال رکھا جانا بہت ضروری ہے کہ انسان خود بھی آیات کے معانی میں غور وفکر کرے اور اپنے آپ کو مفسرین کی آراء کا اسیر نہ بنالے۔ورنہ سنی قرآن کے مطالب کو سنی علما کی فراہم کردہ عینک سے، شیعہ اپنے علما کی فراہم کردہ عینک سے اور دیگر فرقوں کے ماننے والے اپنے اپنے فرقے کے علماء کی فراہم کردہ عینکوں سے قرآن کو دیکھیں گے تو اصل قرآنی مطالب تک کبھی نہیں پہنچ پائیں گے۔ یہ کس قدر ظلم عظیم ہے جو ملّاازم نے قرآن اور مسلمانوں پر ڈھایا ہے کہ اگر میں شیعہ ہوں تو میرا فہم قرآن شیعہ علماء کی سوچ کے تابع ہونا چاہئے ۔اگر میں سنی ہوں تو میرا فہم قرآن سنی علماء کی سوچ کے تابع ہونا چاہئے ، اہل حدیث ہوں تو میرا فہم قرآن اہل حدیث علماء کی سوچ کے تابع ہونا چاہئے۔ کیا مختلف فرقوں کے علماء کی سوچ سے بالاتر ہو کر قرآن مجید کو سمجھنا ممکن نہیں؟ بدقسمتی یہ ہے کہ ملاازم نے یہاں بھی دو معیار مقرر کر رکھے ہیں کہ ہر فرقے کی ملائیت دوسرے فرقوں کے مسلمانوں سے تو یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنے علماء کی آراء سے بالاتر ہو کر قرآن کا مطالعہ کریں لیکن اپنے مقلدین اور اپنے پیروکاروں کو وہ ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ وہ بھی ان کے افکار سے بالاتر ہو کر قرآن کا مطالعہ کریں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قرآن ملائیت کی رائے کے تابع ہو کر رہ گیا ہے۔

جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو عربی زبان میں کسی عمل کے مفید اور مثبت نتیجہ کو ثواب کہتے ہیں۔اب آپ خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ترجمہ کے بغیر صرف عربی پڑھنے میں آپ کو زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے یا عربی کے بغیر صرف ترجمہ پڑھنے میں۔ایک حدیث میں ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيْهَا التَّدَبُّرُ

ترجمہ: جس قرائت کے ساتھ غور وفکر نہ ہو تو ایسی قرائت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ (اصول کافی جلد 1، صفحہ 36)

مطالعہ قرآن اور فہم قرآن کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو مقدس مذہبی کتاب سمجھ کر پڑھنے کی بجائے اسے کتابِ زندگی اور کتابِ ہدایت سمجھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کی نیت سے قرآن مجید کا مطالعہ کریں، جو سمجھیں اس کے مطابق عمل کریں، اور اپنا فہم قرآن دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہاں، اگر فہم قرآن میں آپ کو اچھی دسترس حاصل ہو جائے تو آپ اپنا فہم قرآن دوسروں کے سامنے پیش ضرور کر سکتے ہیں لیکن اپنے فہم قرآن کو حرف آخر سمجھ کر اسے دوسروں پر مسلط کرنے والے رویے سے سخت اجتناب برتنا ہوگا۔

☆☆☆

سوال: کیا نظامِ خلافت قائم ہو جانے سے مسلمانوں کے مسائل حل ہو سکتے ہیں؟

جواب: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت کا نظام قائم ہو جانے سے مسلمانوں کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ لیکن یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ خلافت کو تمام مسائل کے حل کا امرت دھارا سمجھتے ہیں ان کو ایمانداری سے اور بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے مندرجہ ذیل نکات پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

1۔ اگر خلافت کا نظام اتنا ہی کامل اور مؤثر ہوتا تو خود 30 سال سے کم مدت میں کیوں زمین بوس ہو گیا؟ خلافت کی کوکھ سے ملوکیت نے جنم لیا اور چند سال بعد ملوکیت کی کوکھ سے یزیدیت نے جنم لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے 50 سال بعد ہی حالات ایسی شکل اختیار کر گئے کہ یزید جیسا بدکردار شخص امت کا حکمران بن گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ جسے آنحضرت نے خود جوانانِ جنت کا سردار کہا تھا، اس سے جینے کا حق بھی چھین لیا گیا۔

2۔ دوسری اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ قیامِ خلافت کے طرفداروں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد 30 سال تک خلافت ہوگی اور اس کے بعد ملوکیت یعنی بادشاہت شروع ہو جائے گی۔ 30 سال پورے ہوئے تو چودہ صدیاں ہو چکی ہیں، اب خلافت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

3۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر آج خلافت قائم ہوجائے تو کیا یہ خلافت افضل ہوگی یا خلافت راشدہ؟ یا دونوں ایک جیسی ہوں گی؟ ظاہر سی بات ہے کہ خلافت کے عقیدتمندوں میں سے کوئی بھی اس بات کو ماننے کے لیئے تیار نہیں ہوگا کہ آج قائم ہونے والی خلافت، خلافت راشدہ کے برابر یا اس سے برتر ہوگی۔ بلکہ وہ اسے خلافت راشدہ سے کم تر ہی قرار دیتے ہیں۔ جب ''اصلی اور کامل خلافت'' 30 سال سے زیادہ نہ چل سکی اور آخر کار اس کی کوکھ ملوکیت نے اور پھر ملوکیت کی کوکھ سے یزیدیت نے جنم لے لیا تو اس سے کم تر درجہ کی خلافت کتنے سال چلے گی اور اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ جو لوگ خلافت کا نظام نافذ کرنے کے لیئے کوشاں ہیں ان کی خدمت میں ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا تمام سوالوں پر غور وفکر کریں اور دور حاضر میں نظام خلافت کی ایک واضح تصویر قوم کے سامنے پیش کریں۔ خاص طور پر خلافت راشدہ کے خاتمہ کے اسباب اور اس کے ذمہ داروں کو ضرور بے نقاب کریں۔ نیز یہ بھی بہت ضروری ہے کہ یہ کام انتہائی دیانتداری کے ساتھ کیا جائے۔

☆☆☆

سوال: اسلام میں موسیقی کا کیا حکم ہے؟

جواب: موسیقی ان چیزوں میں سے ایک ہے جو بذات خود اچھی یا بری نہیں ہیں۔ ان کا اچھا یا برا ہونا ان کے استعمال پر منحصر ہے۔ قرآن وسنت میں لَھو کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لَھو سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے ایمان کو کمزور کردے، اللہ تعالیٰ سے اس کے روحانی تعلق کو کمزور کردے، اسے اللہ کی یاد سے غافل کردے، اسے اس کے دینی یا معاشرتی فرائض کی انجام دہی میں سست اور کمزور کردے، اور اس کے نفسانی رجحانات کو برانگیختہ کرکے اسے گناہ اور بے حیائی کی طرف مائل کرے۔ اگر کوئی موسیقی ایسی ہو جس سے یہ خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہو تو وہ موسیقی حرام ہوگی۔ موسیقی کے علاوہ بھی اگر کوئی چیز ان خرابیوں میں سے کسی خرابی کے پیدا ہونے کا سبب بنے تو وہ بھی لَھو کے زمرے میں آئے گی اور حرام قرار پائے گی۔ اس کے برعکس اگر کوئی موسیقی ایسی ہو جو انسان کے ایمان کو

مضبوط کرے، اللہ تعالیٰ اور انسان کے روحانی رابطے کو بہتر کرے، دینی اور معاشرتی فرائض کی انجام دہی میں انسان کو تحریک وترغیب دے تو ایسی موسیقی ہر گز حرام نہیں ہوگی۔ دیگر فنون لطیفہ کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر بعض احادیث سے ہر قسم کی موسیقی کے حرام ہونے کا تاثر ملتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کا معاشرہ دنیا کا بدترین جاہل اور حیوانی معاشرہ تھا۔ ان کی شاعری، ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں بھی شراب وشباب اور بے حیائی وفحاشی کا ہی غلبہ نظر آتا ہے۔ بعض احادیث میں غنا کی حرمت کا حکم پایا جاتا ہے۔ لیکن غنا کی تعریف آج تک علماء ومجتہدین متعین نہیں کر سکے۔ لہٰذا ان احادیث سے بھی موسیقی کی حرمت ثابت نہیں کی جا سکتی۔

بنا برایں اگر موسیقی لَھْو کے زمرے میں واقع ہوگی تو حرام ہوگی ورنہ نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ موسیقی ایک ذریعہ اظہار ہے۔ اگر اس کے ذریعے اچھا، مثبت اور تعمیری پیغام دیا جائے تو یہ اچھی، جائز اور حلال ہوگی۔ اس کے برعکس اگر اس کے ذریعے برائی کو فروغ دیا جائے تو یہ حرام ہوگی۔ اس کا فیصلہ ہر صاحب ایمان شخص اپنے ایمان کی روشنی میں خود کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ فیصلہ نہ کر سکتا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی مشکوک موسیقی سے بھی پرہیز کرے۔

☆☆☆

سوال: مصوری اور مجسمہ سازی کا کیا حکم ہے؟ کیا جاندار اور بے جان اشیاء کا حکم مختلف ہے؟

جواب: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بے جان چیزوں یعنی درختوں اور پودوں کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز ہے لیکن جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا حرام ہے۔ لیکن ہم اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو جنات ان کے قابو میں تھے وہ ان کے لیئے مجسمے بھی بناتے تھے: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ

ترجمہ: وہ جنات ان کی خواہش کے مطابق ان کے لیئے محرابیں اور مجسمے بناتے تھے۔ (سبا:13)

تماثیل تمثال کی جمع ہے اور یہ جاندار چیز کے مجسمہ کو کہتے ہیں۔ اس آیت سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی شان وشوکت والے بادشاہ بھی تھے، وہ اپنے زیر اختیار جنّات سے حسب خواہش مجسمے بنواتے تھے۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کوئی ناجائز یا حرام کام کا ارتکاب تو نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا یہ مجسمے بنوانا جائز تھا۔ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہونا اور پھر اس پر یہ تبصرہ نہ ہونا کہ بعد میں مجسمہ سازی حرام کر دی گئی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام نہیں کیا۔

اگر شریعت محمدیہ میں یہ حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ذکر فرماتا۔ حدیث بھی قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر کسی حدیث میں یہ کہا گیا ہو کہ مجسمہ سازی یا تصویر سازی حرام ہے تو اسے اس آیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کیا جائے گا یا اس کی یہ توجیہ کی جائے گی کہ اس سے مراد وہ بت، تصویریں اور مجسمے ہیں جو عبادت کی غرض سے بنائے جائیں۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ بے جان درختوں اور پودوں کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز ہے لیکن جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پودے اور درخت بھی جاندار ہیں۔

اس سلسلہ میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں اگر ان کے مضمون میں غور کیا جائے تو وہ انتہائی غیر منطقی نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ مصور یا مجسمہ ساز کو قیامت کے دن یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنی تصویر یا مجسمہ میں روح پیدا کرو۔ جب وہ نہیں کر سکے گا تو اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصور یا مجسمہ ساز کو کیوں کہے گا کہ تصویر یا مجسمہ میں روح ڈالو؟ ایسا اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کوئی مصور یا مجسمہ ساز تصویر یا مجسمہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کر رہا ہو؟ اس صورت میں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا عجز اور ناتوانی دکھانے کے لیئے یہ حکم دے کہ اپنی تصویر یا مجسمہ میں روح پیدا کرو۔ لیکن دنیا میں ایک بھی

ایسا مصور یا مجسمہ ساز نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ وہ اپنے فن سے اللہ تعالیٰ کی برابری کرنا چاہ رہا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی بھی ایسا مصور یا مجسمہ ساز گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے کے لیئے کوئی تصویر یا مجسمہ بنایا ہو؟

مزید برآں یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ جاندار چیزوں کی تصویر یا مجسمہ بنانے والے کو یہ حکم دے گا کہ وہ ان میں روح پیدا کرے تو پھر کسی درخت یا پودے کی تصویر یا مجسمہ بنانے والے سے بھی یہ کہنا چاہیے کہ اس میں سے خوشبودار اور لذیذ پھول اور پھل پیدا کر کے دکھاؤ۔ بنابریں اس قسم کی روایات ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ تصویریں یا مجسمے بنانا صرف ایک صورت میں حرام ہے جب وہ پوجنے اور عبادت کے لیئے بنائے جائیں۔

☆☆☆

سوال: آج کل روشن خیالی کے بارے میں متضاد باتیں کی جارہی ہیں۔ اس بارے میں صحیح رویہ کیا ہے؟

جواب: ہمیں اپنی زندگی میں تین قسم کی چیزوں اور معاملات سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ ایک وہ جو اچھی ہوں اور ان کا اچھا ہونا بالکل واضح اور شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ دوسری وہ جو بری ہوتی ہیں اور ان کا برا ہونا ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ تیسری وہ جن میں اچھائی اور برائی دونوں کا پہلو پایا جائے مثلاً ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، سینما، مخلوط تعلیم، میراتھون ریس، بسنت کا تہوار وغیرہ۔

تیسری قسم کی چیزوں کے بارے میں انسان کا طرز عمل تین قسم کا ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کے اچھے اور برے پہلو کو نظر انداز کر کے ان کا آزادانہ استعمال کرنا۔ یہ طرز عمل غلط ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے اچھے اور برے پہلو کو نظر انداز کر کے ان کی اندھا دھند مخالفت کرنا۔ یہ طرز عمل بھی بالکل غلط ہے۔ تیسرا یہ کہ ان کے مثبت، مفید اور روشن پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا مفید اور مثبت استعمال کرنا اور ان کے برے، منفی اور تاریک پہلو سے اجتناب کرنا۔ یہ تیسرا طرز عمل

ہی صحیح ہے اوراسی کا نام روشن خیالی ہے اور پہلے دونوں طرزِعمل تاریک خیالی کے زمرے میں آتے ہیں۔

روشن خیالی کا یہ مطلب ہرگزنہیں لیا جانا چاہیئے کہ دورِقدیم کی ہر اچھی بری بات کی نفی کر کے دورجدید کی ہر اچھی بری بات کو اپنا لیا جائے۔اسی طرح دورِ جدید کی ہر اچھی بری بات کی مخالفت کر کے دورِقدیم کی ہر اچھی بری بات سے چپکے رہنا بھی ایک نہایت منفی اور تباہ کن روش ہے۔دور جدید اور دور قدیم، دونوں کی اچھی، مفید اور مثبت باتوں کو اپنانا اور دونوں کی بری باتوں سے اجتناب کرنا ہی روشن خیالی ہے۔

☆☆☆

سوال: تقلید کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: بنیادی طور پر ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة

علم حاصل کرنے کے مختلف درجات ہیں۔تقلید علم حاصل کرنے کا ادنیٰ ترین درجہ ہے جو بالکل جاہل افراد کے لیئے ہے۔

بنیادی طور پر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن شریف اور احادیث کی روشنی میں دین کا علم حاصل کرے۔لیکن اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے قرآن و حدیث کی روشنی میں علم حاصل نہ کر سکتا ہو تو اس کے پاس تقلید کا راستہ باقی رہ جاتا ہے۔یہ بالکل ایسا ہے کہ نماز پڑھنے کے لیئے وضو کرنا واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی مجبوری کے تحت وضو نہ کر سکتا ہو تو اسے نماز پڑھنے کے لیئے تیمم کرنا ہوگا۔علم حاصل کرنے اور تقلید کے درمیان بھی وضو اور تیمم جیسا تعلق ہے۔

بدقسمتی سے تقلید کے بارے میں دو بہت ہی انتہا پسندانہ رویے پائے جاتے ہیں۔ایک گروہ سرے سے تقلید کا انکار کرتا ہے اور دوسرا صرف تقلید پر

اصرار کرتا ہے۔ یہ دونوں رویّے غلط اور باطل ہیں۔ مسئلے کی اصل وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں میں یہ غلط تصور پختہ کر دیا گیا ہے کہ انسان کے سامنے صرف دو راستے ہیں: ایک اجتہاد اور دوسرا تقلید۔ اب جو شخص مجتہد نہیں ہے اس کے پاس تقلید کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ تقلید کے بعد تحقیق کا راستہ موجود ہے جو اصول دین کی تعلیم کے بارے میں تسلیم کیا گیا ہے۔ تمام علماء و مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اصول دین میں تقلید حرام ہے اور واجب ہے کہ انسان اصول دین کا علم دلیل کی روشنی میں حاصل کرے۔

ظاہر سی بات ہے کہ اگر آپ اصول دین میں تقلید نہیں کرتے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ آپ مجتہد ہو گئے ہیں۔ پس جس طرح ایک عام مومن کے لیئے اصول دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے اجتہاد اور تقلید کے درمیان ایک راستہ موجود ہے وہی راستہ فقہی احکام کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے بھی اپنایا جا سکتا ہے اور جو اسے اپنا سکتے ہوں انہیں ضرور اسے اپنانا چاہئے۔ ہر مومن کا حق ہے کہ وہ عالم دین سے مطالبہ کرے کہ جناب میں صرف فتویٰ نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ کی وضاحت، تشریح اور رہنمائی بھی چاہتا ہوں۔ اسی طرح عالم پر فرض ہے کہ وہ مومنین کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تسلی بخش جوب دیں۔

اختلافی مسائل میں دو یا تین شقیں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً کرنسی نوٹ پر زکات کے واجب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دو ہی شقیں ہو سکتی ہیں: واجب ہے یا واجب نہیں ہے۔ آپ دونوں شقوں کے قائل علماء حضرات سے بصد ادب گزارش کریں کہ جناب ہم اس مسئلے پر تقلید نہیں کرنا چاہتے، آپ اپنے اپنے موقف کی قرآن مجید اور احادیث معصومین علیہم السلام کی روشنی میں وضاحت فرما دیجئے۔ اس کے بعد اپنے ایمان کی روشنی میں (نہ کہ خواہشات نفسانی کی بنیاد پر) ان میں سے جو شق آپ کے لیئے قابل فہم اور قابل قبول ہو اسے قبول کر لیں اور دوسری کو ترک کر دیں۔ اس وقت جو اندھی تقلید ہمارے ہاں رائج ہو چکی ہے اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایک اور بات بہت اہم اور قابل توجہ ہے۔ ہمارے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانون سب کے لیئے یکساں ہے۔ اس کے پاس دہرے معیار نہیں ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ قیامت کے دن وہ حنفی، حنبلی، شافعی، مالکی، یہودی، مسیحی وغیرہ کو تو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کر کے ان سے سوال کرے کہ تم نے امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام شافعی، ربی اور پوپ کی اندھی تقلید کیوں کی تھی اور شیعہ اثنا عشری کو اپنے مراجع کی اندھی تقلید کرنے پر شاباش دے اور جنت میں داخل کر دے۔ جو لوگ بے گناہ افراد کو دہشت گردی اور خودکش حملوں میں قتل کر رہے ہیں آخر وہ بھی تو کسی کی تقلید کرتے ہوئے ایسا کر رہے ہیں۔ کیا قیامت کے دن ان کا یہ عذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگا کہ ہم نے اپنے علماء کے حکم اور فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے یہ قتل اور خونریزی کی تھی؟۔

بنابریں اندھی تقلید اگر جائز ہے تو سب کے لیئے جائز ہے۔ جائز نہیں ہے تو کسی کے لیئے بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر کفار کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اپنے آباؤ اجداد کی روش پر چل رہے ہیں اور عقل استعمال نہیں کرتے۔ پس چونکہ اندھی تقلید کی قرآن میں مذمت ہوئی ہے لہٰذا یہ کسی کے لیئے ممکن نہیں ہے کہ اندھی تقلید کر کے نجات پا سکے۔ ایک مسلمان کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے اس کے بارے میں یہ حدیث بہترین رہنمائی کرتی ہے:۔

اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ(ع) فِیْ وَصِیَّتِہٖ لِجَابِرِ بْنِ یَزِیْدَ جُعْفِیْ :...وَاعْلَمْ بِاَنَّکَ لَا تَکُوْنُ لَنَا وَلِیًّا حَتّٰی لَوِاجْتَمَعَ عَلَیْکَ اَھْلُ مِصْرِکَ وَقَالُوْا: اِنَّکَ رَجُلٌ سَوْءٌ لَمْ یَحْزُنْکَ ذٰلِکَ. وَلَوْ قَالُوْا: اِنَّکَ رَجُلٌ صَالِحٌ لَمْ یَسُرَّکَ ذٰلِکَ. وَلٰکِنِ اَعْرِضْ نَفْسَکَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ، فَاِنْ کُنْتَ سَالِکًا سَبِیْلَہٗ، زَاھِدًا فِیْ تَزْھِیْدِہٖ، رَاغِبًا فِیْ تَرْغِیْبِہٖ، خَائِفًا مِّنْ تَخْوِیْفِہٖ، فَاَثْبِتْ وَاَبْشِرْ، فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّکَ مَا قِیْلَ فِیْکَ..

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر بن یزید جعفی کو اپنی وصیت میں فرمایا:

''تم اس وقت تک ہماری ولایت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اس حالت کو نہ پہنچ جاؤ کہ اگر تمہارے شہر کے لوگ جمع ہو کر تم سے کہیں کہ تم بہت برے شخص ہو تو اس بات سے تمہیں دکھ نہ ہو، اور اگر وہ کہیں کہ تم بہت نیک شخص ہو تو اس سے تمہیں خوشی نہ ہو۔ بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنا جائزہ لو، اگر تم اس کی راہ پر چل رہے ہو، جن چیزوں سے اس نے منہ موڑنے کو کہا ہے ان سے منہ موڑے ہوئے ہو، جن چیزوں کی طرف اس نے تمہیں رغبت دلائی ہے تم ان میں راغب ہو، جن چیزوں سے اس نے تم کو ڈرایا ہے ان سے ڈرتے ہو تو اس حال پر ثابت قدم رہو اور تمہیں بشارت ہو، ایسی صورت حال میں تمہارے بارے میں کہی گئی کوئی بات تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔'' (تحف العقول: باب ارشادات امام محمد باقر علیہ السلام)

اب اہل ایمان خود سوچیں کہ اگر امام محمد باقر علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی پر عمل کیا جائے تو کیا موجودہ اندھی تقلید کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ یا اگر موجودہ اندھی تقلید کی روش پر ثابت قدم رہا جائے تو کیا اس حدیث پر عمل کرنا ممکن رہتا ہے؟

ہمیں یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کسی کے گھر میں اللہ کتاب موجود ہو اور پھر اس کی زندگی میں کوئی فکر و عقیدہ و عمل اللہ کی کتاب کے خلاف ہو تو قیامت کے دن ایسا کوئی بہانہ اس کے کام نہیں آئے گا کہ میں نے فلاں عالم کے کہنے پر یہ فکر و عقیدہ و عمل اپنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب سے اپنی کتاب کی بنیاد پر حساب لینا ہے۔ مزید تفصیل کے ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب: ''تحقیق مسائل تقلید''

☆☆☆

سوال: عام شہریوں پر خودکش حملوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اسلام میں کسی انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِيْ الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً. (مائدہ:32)

ترجمہ: جس کسی نے ایک انسان کو کسی کے قتل یا معاشرے میں فساد کے سوا، کسی اور وجہ سے قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اس قرآنی آیت کی رو سے کسی انسان کو صرف دو صورتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے: ایک یہ کہ اس نے کسی انسان کو قتل کیا ہو اور دوسرے یہ کہ اس نے معاشرے میں کوئی فتنہ وفساد برپا کیا ہو۔ اس لیئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فتنہ وفساد کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ:217)

اس کے علاوہ کسی اور صورت میں کسی انسان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں سزائے موت صرف ان دو جرائم پر دی جا سکتی ہے۔ یہ بات بھی ضرور مدنظر رہے کہ ان جرائم کے مرتکب افراد کو سزا دینا بھی حکومت اور عدالت کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی کو قاتل یا مفسد قرار دے کر اس کو سزائے موت دے دے۔

خود کش حملوں میں یقیناً بہت سے ایسے افراد قتل ہو جاتے ہیں جن کا قتل اس آیت کی رو سے حرام ہے۔ چونکہ اس آیت کی رو سے ایک انسان کا ناحق قتل ساری انسانیت کا قتل ہے، لہٰذا خود کش حملوں میں جتنے بھی افراد ناحق قتل ہوتے ہیں، گویا خود کش حملہ کرنے والے نے اتنی ہی بار ساری انسانیت کا قتل کیا۔ یاد رہے کہ تمام انسانوں میں سب انبیاء اور اولیاء بھی شامل ہیں۔ انسانیت کے دشمن خود کش دہشت گردوں کے سرپرست اپنے اس گھناؤنے جرم کی توجیہ اور وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری جنگ تو امریکہ، برطانیہ اور دیگر اسلام دشمن حکومتوں کے خلاف ہے لیکن چونکہ ان کے عوام نے ان کو ووٹ دیا ہے لہٰذا وہ بھی ان کے جرم میں شریک ہیں۔ اس لیئے ان کو خود کش حملوں اور دہشت گردی کی کاروائی میں مارنا جائز ہے۔ لیکن ان کا یہ موقف عذر گناہ بدتر از گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

کیا انسانیت کے یہ دشمن خودکش دھماکہ (یا دہشت گردی کی کوئی اور کاروائی) کرتے وقت اس بات کا یقین حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کے خودکش حملے میں صرف وہی لوگ قتل ہوں گے جو اِن ظالم حکمرانوں کے ووٹر ہیں؟ پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کسی کو ووٹ دینے والا اس کے ہر فعل اور ہر پالیسی کا حامی ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی امیدوار کو دوسرے امیدوار سے بہتر خیال کر کے اس کو ووٹ دے دیتا ہے لیکن اس کی کئی پالیسیوں کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان دھماکوں میں جو بعض اوقات ٹرینوں، بسوں، بازاروں، پارکوں اور ہوٹل یا ریستورانوں میں ہوتے ہیں، ایسے معصوم بچے بھی مارے جاتے ہیں جن کے معصوم ذہن ووٹ، جنگ اور سیاست کے بارے میں کچھ جانتے تک نہیں۔ بنابریں خودکش حملہ ایک ایسی کاروائی ہے جو قرآن وسنت کی رو سے ایک گناہ عظیم ہے اور بنیادی طور پر انسانیت کے خلاف جرم ہے جس کی کوئی تشریح وتوجیہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆

سوال: مسئلہ خمس کی حقیقت؟

جواب: خمس کے معنی ہیں پانچواں حصہ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

ترجمہ: اور جان لو کہ تم جو چیز بطور غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیئے اور رسول کے لیئے
اور رسول کے قرابتداروں کے لیئے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیئے ہے۔ (انفال:41)

غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو محنت اور مشقت کے بغیر حاصل ہو۔ جہاد میں دشمن سے حاصل ہونے والی اشیاء کو اس لیئے غنیمت کہا جاتا ہے کہ بنیادی

طور پر مسلمان اپنے عقیدے اور دین کی حفاظت کے لیئے دفاعی جنگ کرتا ہے، دشمن کا مال واسباب لوٹنے کے لیئے نہیں۔دشمن کی شکست کی صورت میں اس کے چھوڑے ہوئے مال واسباب جو بطور غنیمت مجاہدین اسلام کے ہاتھ میں آتے ہیں ایک ضمنی اور ذیلی فائدہ ہوتے ہیں۔اگر جنگ کا مقصد ہی دشمن کا مال واسباب لوٹنا ہو تو وہ جہاد نہیں غارت گری کہلائے گی اور اس سے حاصل ہونے والا مال واسباب بھی ظالمانہ لوٹ مار کے زمرے میں آئے گا۔

اس آیت کی رو سے خمس صرف غنیمت پر لاگو ہوتا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ خمس کی یہ آیت 2 ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً نو سال تک زندہ رہے۔اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپ نے اسلامی ریاست کے شہریوں کی آمدنی یا بچت پر خمس عائد کیا ہو۔اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دور حکومت میں زکات کے بارے میں تفصیلی احکام صادر فرمائے۔لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انہوں نے اسلامی ریاست کے شہریوں کی آمدنی یا بچت پر خمس عائد کیا ہو۔

بنا بریں، خمس صرف مال غنیمت پر عائد ہوتا ہے خواہ وہ میدان جنگ سے حاصل ہونے والی غنیمت ہو یا کسی اور ذریعے سے محنت ومشقت کے بغیر حاصل ہونے والا مال ہو جیسے دفن شدہ خزانہ مل جائے، یا معادن اور دریاؤں اور سمندروں سے حاصل ہونے والے موتی وغیرہ۔ذرا تصور کریں کہ ایک انسان صبح سے لے کر شام تک کام کرتا ہے۔اسے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کا کچھ حصہ اپنی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اور کچھ بچا کر رکھ لیتا ہے۔اس کی آمدنی یا بچت کو دنیا کی کونسی لغت میں مال غنیمت کہا جا سکتا ہے۔اس کے خون پسینے کی کمائی کو غنیمت قرار دے کر اس پر خمس عائد کرنا ایسا عمل ہے جو اس آیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کی طرز عمل کے خلاف ہے۔اسی طرح خمس کے بارے میں یہ بھی بالکل غلط ہے کہ خمس کی رقم استعمال کرنے کے لیئے مجتہد یا اس کے نمائندے کی اجازت ضروری ہے۔آمدنی یا بچت پر خمس عائد کرنا اور خمس کے استعمال کے لیئے مجتہد یا اس کے نمائندے کی اجازت کا ضروری ہونا ایسی باتیں ہیں جن کی کوئی

دلیل قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے۔

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیئے اس مثال پر توجہ فرمائیں: ایک شخص کی سالانہ آمدنی دس لاکھ روپے ہے اوراس کے سالانہ اخراجات نو لاکھ روپے ہیں۔اس طرح اس کی بچت ایک لاکھ روپے ہوگئی۔اس ایک لاکھ روپیہ کا خمس بیس ہزار روپیہ بنا جس کا نصف یعنی دس ہزار روپیہ سہم امام کی مد میں چلا گیا۔اب سوال یہ ہے کہ آیا اس دس لاکھ میں سے صرف اس دس ہزار کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم اوراس کی پسند کے مطابق استعمال ہو؟ کیا باقی نو لاکھ نوے ہزار روپیہ کی رقم کے بارے میں یہ شخص آزاد ہے کہ جیسے چاہے خرچ کرے اوراللہ تعالی اس سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا؟ ظاہر سی بات ہے کہ اس کی ساری رقم اوروہ خود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِلّٰہِ مَافِیْ السَّمَاوَاتِ وَمَافِیْ الْاَرْضِ ترجمہ: جو کچھ زمین اورآسمانوں میں ہے، سب اللہ کا ہے۔ (آل عمران:129)

اورسب کو اللہ کے حکم اوراس کی پسند کے مطابق خرچ ہونا چاہیئے۔اب اگر یہ شخص نو لاکھ نوے ہزار روپیہ اللہ کے حکم اوراس کی پسند کے مطابق خرچ کرسکتا ہے تو باقی دس ہزار روپیہ کیوں اللہ کے حکم اوراس کی پسند کے مطابق خرچ نہیں کرسکتا؟ اوراگر نو لاکھ نوے ہزار روپیہ اللہ کے حکم اوراس کی پسند کے مطابق خرچ نہیں کررہا اور اپنی من مانی سے استعمال کررہا ہے تو کیا دس ہزار روپیہ، جو اس ساری رقم کا صرف ایک فیصد ہے، مجتہد یا اس کے نمائندے کو دے کر یا اس کی اجازت سے خرچ کرکے یہ شخص نجات پاجائے گا؟ مزید یہ کہ جس شخص نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے خمس نکالا ہے، وہ زیادہ دردمندی اوراحساس ذمہ داری کے ساتھ اسے خرچ کرے گا یا وہ مولوی جس نے ایک پائی بھی نہیں کمائی اوربیٹھے بٹھائے اس کے پاس مفت میں پیسہ آرہا ہے؟

بہرحال آپ کی آمدنی اوربچت پر کوئی خمس نہیں ہے، خمس صرف ان چیزوں پر ہے جو غنیمت کے زمرے میں آتی ھیں۔اگر آپ کے پاس کوئی ایسا مال

ہو جس کا خمس ادا کرنا واجب ہو تو خمس کی رقم مرجع تقلید یا اس کے نمائندے کو دینے، یا اس کے استعمال کے لیئے مرجع کی اجازت لینے کی قرآن و سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ مجتہدین کی خود ساختہ باتوں میں سے ہے۔ (مزید تفصیل کے لیئے ہماری کتاب "مسائل خمس: قرآن و سنت کی روشنی میں" ملاحظہ فرمائیے۔)

☆☆☆

سوال: عزاداری امام حسین علیہ السلام کی اہمیت؟

جواب: عزاداری امام حسین علیہ السلام تشیع کا شعار، تشیع کا عظیم سرمایہ اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ توسل کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے نظریہ، ان کے مقصد شہادت اور ان کی عظیم الشان شخصیت کے پرچار کا فورم ہے۔ عزاداری ہی کی بدولت دنیا امام حسین علیہ السلام، ان کی عظیم الشان شہادت اور واقعہ کربلا سے آگاہ ہوئی۔ عزاداری نہ ہوتی تو امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر بھی پردہ ڈال دیا جاتا جس طرح اور بہت سے اہم واقعات پر پردہ ڈال دیا گیا۔ عزاداری امام حسین علیہ السلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی امانت ہے جس کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔ اس کی حفاظت کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھ کر شان و شوکت کے ساتھ جاری رکھنا۔ دوسرا یہ کہ عزاداری کو انحرافات سے محفوظ رکھنا، تاکہ امام حسین علیہ السلام کی شخصیت، آپ کے عظیم الشان مقصد اور آپ کی بے مثال شہادت اور قربانی کی تاریخ اور امام حسین علیہ السلام اصل حالت میں دنیا تک اور اگلی نسلوں تک منتقل ہو سکے۔ جس طرح مجالس عزا کے باہر مسلح گارڈز کھڑے ہوتے ہیں تاکہ بیرونی حملہ آوروں کے حملوں سے مجلس عزا کی حفاظت ہو سکے، اسی طرح، بلکہ اس سے کہیں زیادہ لازم ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ منبر سے کوئی نا اہل یا جاہل امام حسین علیہ السلام کی شخصیت، ان کے عظیم الشان مقصد اور ان کی بے مثال شہادت اور ان کے عظیم پیغام کو جاہلانہ اور غیر ذمہ دارانہ گفتگو سے نقصان نہ پہنچائے۔ ہمیں یہ بات اچھی

طرح سے یاد رکھنی چاہیے کہ جھوٹ ایک گناہ کبیرہ ہے، اگر منبر سے جھوٹی روایات بیان کی جائیں یا جان بوجھ کر جھوٹ بولا جائے تو یہ گناہ کبیرہ اور بھی کبیرہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے امام حسین علیہ السلام کے مقصد شہادت کو نقصان پہنچتا ہے، آنے والی نسلوں اور دنیا کی دوسری اقوام تک امام حسین علیہ السلام کا اصل اور حقیقی پیغام نہیں پہنچ سکے گا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام کے فضائل ومصائب اور آپ کے عظیم الشان مقصد کو کسی قسم کے جھوٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہونی چاہیے کہ مجالس عزا اور عزاداری میں کم علم، بے علم اور غیر ذمہ دار مقررین کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو یزیدیت کی خدمت ہوگی نہ کہ امام حسین علیہ السلام کے عظیم الشان مقصد کی۔

☆☆☆

سوال: دور حاضر میں جہاد؟

جواب: جہاد کے بارے میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ سب سے پہلے جہاد کے صحیح معنی کو سمجھا جائے۔ جہاد کے معنی جدو جہد (Struggle) کرنے کے ہیں۔ ہر انسان، ہر معاشرے اور ہر قوم کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جو کوشش اور جدو جہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ اس لحاظ سے ہر فرد، قوم اور معاشرے کو اپنی بقاء اور ترقی کے لیئے جو جدو جہد کرنی ہوتی ہے اسی کا دوسرا نام جہاد ہے۔ مثلاً جہالت کے خلاف جہاد، بیماری کے خلاف جہاد، غربت کے خلاف جہاد وغیرہ۔

اپنا دفاع اور دشمن کی جارحیت کے خلاف مسلح کوشش اور جدو جہد بھی جہاد میں شامل ہے لیکن قرآن میں اس کے لیئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ قتال ہے۔ آج کل عام طور پر قتال کو ہی جہاد سمجھ لیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ کچھ مسلح تنظیمیں بھی وجود میں آ گئی ہیں جو اپنے آپ کو جہادی تنظیمیں کہتی ہیں اور جہاد کے نام پر جاہل عوام کو بے وقوف بنا کر دنیا میں فساد پھیلا رہی ہیں اور اسلام کے لیئے بدنامی اور مسلمانوں کے لیئے مشکلات کا باعث بن رہی ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے

لیئے ان کی طرف سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جس طرح قرآن میں نماز کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح جہاد کا بھی حکم دیا گیا ہے۔لہٰذا جہاد بھی نماز کی طرح قیامت تک واجب ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ نماز کی طرح جہاد بھی قیامت تک فرض ہے۔لیکن کیا جمعہ کی نماز،اتوار کے دن،مغرب کے وقت،کسی گرجا گھر میں،وضو کے بغیر،وائیٹ ہاؤس کی طرف منہ کر کے کسی فلمی اداکارہ کی امامت میں ادا کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔اس لیئے کہ قیامت تک نماز واجب ہونے کے باوجود نماز کی کچھ شرائط ہیں۔اگر وہ شرائط پوری ہوں گی تو نماز درست ہوگی ورنہ نہیں۔اسی طرح جہاد (قتال) کی بھی شرائط ہیں۔اگر وہ شرائط پوری ہوں گی تو جہاد صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جہاد فرض کفائی ہے۔یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مدینہ دور حاضر کی جدید ریاست کی طرح نہیں تھا جس میں ہر کام کے لیئے باقاعدہ ادارہ ہوتا ہے۔(اداروں کی موجودگی میں واجب کفائی عام لوگوں سے عام طور پر ساقط ہوجاتا ہے) عام لوگ تجارت،زراعت،محنت مزدوری یا کوئی اور کام کرتے تھے اور قبائلی معاشرے کی روایات کے مطابق جنگی فنون سے بھی واقف ہوتے تھے۔

لہٰذا جب کبھی دشمن کی طرف سے جارحیت کا خطرہ ہوتا تھا تو ان سب کو جہاد میں شرکت کا حکم دے دیا جاتا تھا اور وہ رضا کارانہ طور پر رسول اللہ کی قیادت میں جہاد کرنے نکل کھڑے ہوتے تھے۔جنگ تبوک کے وقت حالات کافی مشکل تھے۔دشمن بہت بڑا تھا،یعنی سلطنت روم۔محاذ جنگ بھی کافی دور تھا اور جنگ عین اس وقت پیش آگئی تھی جب کھجور کی فصل پکنے کے لیئے تیار تھی۔ان حالات میں مسلمان جہاد سے کترانے لگے۔یہ ان حالات میں تھا جب سورۂ توبہ نازل ہوئی اور جہاد سے کترانے والوں کو شدید سرزنش کی۔اگر اس دور میں رسول اللہ کے پاس باقاعدہ فوج ہوتی،تو سورۂ توبہ میں جہاد کے لیئے یہ شدید اور تاکیدی احکام آنے کی ضرورت نہ ہوتی،رسول اللہ حکم دیتے اور فوج اس پر لبیک کہتی۔جس طرح آج کل حکومتیں فوج کو حکم دیتی ہیں اور فوج اس کے مطابق عمل کرتی ہے۔

لہٰذا آج کل کی پرائیویٹ جہادی تنظیمیں جہاد کے نام پر جو کاروائیاں کر رہی ہیں وہ عقلی، شرعی، اخلاقی، ہر لحاظ سے ناجائز ہیں اور سورۂ توبہ اور دیگر قرآنی آیات سے عوام کو جس طرح جہاد کے لیئے ترغیب دی جا رہی ہے وہ بالکل بے محل اور غلط ہے۔

جہادی تنظیموں کے جہاد کی لغویت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ افغانستان میں ملا عمر کی قیادت میں طالبان اور احمد شاہ مسعود کی قیادت میں شمالی اتحاد کئی سال تک ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے۔ دونوں گروہ اور ان کے قائد حنفی سنی تھے۔ اس کے باوجود دونوں اپنی جنگ کو جہاد کا نام دیتے تھے اور دونوں اپنے مقتولین کو شہید اور دوسرے کے مقتولین کو مردار کہتے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر اسلام، جہاد، شہید اور شہادت کا کوئی مذاق اڑایا جا سکتا ہے؟

اسلام کے حقیقی مجاہدین میں مولا علی (علیہ السلام) کا نام برسر فہرست ہے۔ ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک جنگ میں انہوں نے دشمن کے ایک بہت بڑے جنگجو کو گرا دیا اور اس کا سر قلم کرنے کے لیئے اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ جیسے ہی اس کا سر کاٹنے لگے اس نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اس پر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ میں مکمل طور پر آپ کے قابو میں تھا، آپ آسانی سے میرا سر قلم کر سکتے تھے، پھر جب میں نے آپ نے چہرے پر تھوک دیا تو اس پر تو آپ کو مجھے بالکل نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ مولا علی (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میں تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیئے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن جب تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا۔ اگر اس میں حالت میں تمہیں قتل کر دیتا تو اس میں میرا غصہ بھی شامل ہو جاتا اور میرا عمل اللہ کے لیئے خالص نہ رہتا۔ یہ ہوتا ہے مسلمان مجاہد کا کردار۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام کا یہ عظیم مجاہد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اسلام کی حفاظت کے لیئے لڑی جانے والی ہر جنگ میں پیش پیش رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کشور کشائی کے لیئے لڑی جانے والی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوا۔ مختصر یہ کہ نام نہاد جہادی تنظیموں

کے جہاد اسی نماز جمعہ جیسے ہیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ملک کے دفاع کے لیئے جہاد کی پالیسی بنانا اور اس پالیسی پر عمل درآمد کرنا حکومت کا کام ہے۔

☆☆☆

سوال: کیا نجات کے لیئے مسلمان ہونا ضروری ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں بھی دیا جا سکتا ہے اور ''نہیں'' میں بھی۔ اس جواب کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ سب سے پہلے ہمیں مسلمان کے معنی سمجھنے ہوں گے۔ مسلمان کے معنی سمجھنے سے پہلے اسلام کے معنی کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسلام کے دو معنی ہیں:۔

1۔ایک یہ کہ اسلام دنیا میں موجود بہت سے ادیان میں سے ایک دین کا نام ہے۔ یہودیت، مسیحیت، بدھ مت، ہندومت، اور بہت سے دیگر ادیان کی طرح اسلام ایک دین کا نام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے۔ اس دین کی کتاب کا نام قرآن ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھتا ہے وہ مسلمان ہے اور جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔

2۔دوسرے یہ کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے وہ مسلمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد، صلوات اللہ علیہم اجمعین، سب کا ایک پیغام تھا کہ سب لوگ اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی زندگی بسر کریں۔ دوسرے الفاظ میں سب کا پیغام اسلام تھا۔ اسی بات کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ		ترجمہ: اللہ کے نزدیک قابل قبول دین اسلام یعنی اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ (آل عمران:19)

اس معنی کے لحاظ سے ہر وہ شخص جو اللہ کا فرمانبردار ہے وہ مسلم ہے اور جو اللہ کا فرمانبردار نہیں ہے وہ غیر مسلم ہے۔اب اگر کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھتا ہے لیکن اپنی عملی زندگی میں اللہ کا فرمانبردار نہیں ہے، اللہ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا تو وہ قانونی طور پر تو مسلمان ہے لیکن حقیقی مسلمان نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں سمجھتا، اس لیئے کہ اس پر ابھی یہ حقائق ثابت اور واضح نہیں ہوئے ہیں، لیکن اپنی زندگی میں اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے تو وہ درحقیقت مسلم ہے، خواہ قانونی طور پر مسلمان نہ ہو۔اس بات کو ہضم کرنا عام مسلمانوں کو لیئے کافی مشکل ہے۔لیکن اگر اس مثال میں غور کریں تو بات سمجھ میں آسکتی ہے:

ایک مسلم، ایک مسیحی اور ایک یہودی گھرانے میں ایک ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مسلمان والدین اپنے بچے کو بتاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہم اللہ کے بندے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کا پیغام یعنی قرآن مجید ہمارے لیئے لائے۔اگر ہم اللہ کی فرمانبرداری کریں گے اور قرآن میں بیان کئے گئے اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں گے تو اللہ ہم سے خوش ہوگا اور آخرت میں ہم نجات پا جائیں گے۔

یہودی والدین اپنے بچے کو یہ بتاتے ہیں کہ ہم یہودی ہیں، ہم اللہ کے بندے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کا پیغام یعنی تورات لے کر آئے۔اگر ہم اللہ کی فرمانبرداری کریں گے اور تورات میں بیان کئے گئے اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا اور آخرت میں ہم نجات پا جائیں گے۔

مسیحی والدین اپنے بچے کو یہ بتاتے ہیں کہ ہم مسیحی ہیں، ہم اللہ کے بندے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہمارے لیئے تورات، حضرت داؤد کے ذریعے زبور اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے انجیل بھیجی۔اگر ہم اللہ کی فرمانبرداری کریں گے اور تورات، زبور اور انجیل میں بیان

کئے گئے اللہ کے احکامات وہدایات کے مطابق زندگی گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا اور آخرت میں ہم نجات پا جائیں گے۔

ان تین بچوں میں سے کوئی بھی تحقیق نہیں کرتا اور تینوں بچے اپنے اپنے والدین کی تربیت کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے جذبے کے ساتھ اپنی مذہبی کتابوں میں دی ہوئی ہدایات کو اللہ کا حکم اور ہدایت سمجھ کر ساری زندگی اس پر کاربند رہتے ہیں۔ یہ تینوں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی بندگی کے جذبے کے تحت اور آخرت میں اس کی بارگاہ میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔

درحقیقت یہ تینوں مسلم یعنی اللہ کے فرمانبردار ہیں اور تینوں نجات پا جائیں گے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اعلان فرمادیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً

فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے، جو لوگ یہودی ہو گئے اور نصاریٰ اور صابئین، جو کوئی بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور اعمال صالح کرتا رہا،

تو ایسے لوگوں کا اجران کے رب کے پاس محفوظ ہے اور ان پر کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ (بقرہ:62)

ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ترجمہ: یقیناً اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف اور کوئی غم نہیں ہوتا۔ (یونس:62)

ان دونوں آیات کو ساتھ ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جن یہودیوں، نصاریٰ صابئین اور مسلمانوں کا گذشتہ آیت میں ذکر ہوا ہے وہ اللہ کے اولیاء ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں جو اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں مثلاً:

اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (نازعات:41-40)

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکتا رہا، یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

سورۂ والشّمس میں اللہ تعالیٰ نے گیارہ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا ترجمہ: جس نے تزکیہ نفس کرلیا وہ یقیناً فلاح پا گیا۔ (شمس:9)

گویا اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ یہ بات تم پر سورج کی طرح واضح ہو جانی چاہیے کہ جس نے بھی تزکیہ نفس کرلیا یعنی اپنے باطن کو پاک کرلیا وہ فلاح اور نجات پا گیا خواہ اس کے اوپر کچھ بھی لیبل لگا ہوا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نجات کے لیئے حقیقی مسلم ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقی مسلم ہو تو وہ ضرور نجات پائے گا چاہے اس پر قانونی مسلمان کا لیبل نہ بھی لگا ہو۔ اگر کوئی شخص صرف قانونی مسلم ہو اور حقیقی مسلم نہ ہو تو وہ نجات نہیں پا سکتا۔ اگر کوئی شخص حقیقی مسلمان بھی ہو اور قانونی مسلمان بھی ہو تو سونے پر سہاگا۔

☆☆☆

سوال: داڑھی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: داڑھی رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس کے وجوب کے دلائل بہت کمزور ہیں۔ داڑھی منڈوانا ترک مستحب ہے، حرام اور گناہ ہرگز نہیں ہے۔

تفصیل کے لیئے ہماری ویب سائیٹ پر ہمارا کتابچہ ''مسئلہ ریش تراشی'' ملاحظہ فرمایئے۔

☆☆☆

سوال: سفر میں نماز اور روزے کا حکم؟

جواب: عام طور پر شیعہ مجتہدین کا فتویٰ ہے کہ اگر آپ کسی ایسے سفر پر جائیں جس میں آنے جانے کا کل فاصلہ 44 کلومیٹر یا اس سے زیادہ ہو، سفر میں کسی قسم کا

خوف اور خطرہ نہ ہو، کسی قسم کی مشکل اور پریشانی نہ ہو، آپ کا سفر مکمل طور پر پرامن، محفوظ اور انتہائی آرام دہ ہو، چاہے آپ تفریح اور پکنک کے لیئے سفر کر رہے ہوں، تو آپ کی چار رکعتی نماز قصر ہو جائے گی اور روزہ بھی افطار ہو جائے گا۔ لیکن یہ فتویٰ قرآنِ مجید، احادیثِ معصومین اور عقل کے ساتھ کسی قسم کی مطابقت نہیں رکھتا۔

اگر آپ کا سفر محفوظ ہے، دورانِ سفر کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے تو آپ نماز پوری پڑھیں گے اور روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف اور مشکل نہ ہو تو روزہ بھی رکھیں گے۔ تفصیلات کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہمارا مقالہ: ''نماز وروزہ مسافر''۔

☆☆☆

سوال: شیعہ خواتین کی طلاق بذریعہ عدالت؟

اگر کسی شیعہ خاتون کا شوہر اس کے حقوق ادا نہ کرتا ہو اور اسے طلاق بھی نہ دیتا ہو تو وہ عورت معاشرے یا خاندان کے دو عادل افراد کے سامنے اپنی صورت حال کو واضح کرنے کے بعد ان کے سامنے اپنے آپ کو طلاق دے کر اس نکاح سے باہر آسکتی ہے۔ بنیادی طور پر نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایک عقد یعنی معاہدہ ہے، اسلام یا دنیا کا کوئی قانون کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ کسی ایسے معاہدے کے بندھن میں بندھا رہے جس کے شرائط و فرائض کو دوسرا فریق پورا نہ کر رہا ہو۔ پس اگر مرد نکاح کے فرائض اور ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا تو عورت بھی اس معاہدے میں بندھے رہنے کی پابند نہیں ہے۔

اس بارے میں استاد محترم آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کا فتویٰ کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

برهر زن متاهلی که زندگی اش درحال عسر است واجب است درصورت به نتیجه نرسیدن میانجیگری حکمین و پس از اثبات قطعی اعسارش نزددو داور عادل، خود را نزد شهود عدلین طلاق دهد۔

ترجمہ: ہر شادی شدہ عورت جس کی زندگی حالتِ عسر میں ہو اور دو ثالثوں کی طرف سے اصلاح کی کوشش کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو، اس پر واجب ہے کہ عسر و حرج کی کیفیت کے بارے میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے دو عادل افراد کے سامنے اپنی عسر والی حالت کو ثابت کرنے کے بعد دو عادل گواہوں کی موجودگی میں اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ (رسالہ طلاق)

ایسا کرنے کی بجائے اگر وہ عورت عدالت کے ذریعے طلاق حاصل کرلے تو یہ طلاق درست ہے۔اس کے بعد کسی مجتہد یا اس کے نمائندے سے ''شرعی طلاق'' اور ''صیغے پڑھوانے'' کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اگر کوئی خاتون عدالت سے رجوع کرنے کی بجائے کسی مجتہد یا اس کا نمائندے کی طرف رجوع کرے اور مجتہد یا اس کا نمائندہ اس کو طلاق دے دے تو اس طلاق کی کوئی شرعی اور قانونی حیثیت نہیں ہوگی، یعنی سرے سے طلاق ہی نہیں ہوگی اور وہ عورت بدستور اسی مرد کی بیوی رہے گی۔ یہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمانہ غیبت میں فقیہ اور مرجع نائب امام ہوتا ہے اور نائب امام کی حیثیت سے حکومتی اختیار استعمال کر کے ایسے مسائل میں طلاق دے سکتا ہے یا اس کا مقرر کیا ہو نمائندہ طلاق دے سکتا ہے، یہ سب بالکل غلط، بے بنیاد اور لغو باتیں ہیں۔ مجتہد ہرگز نائب امام نہیں ہوتا، اسے امام علیہ السلام کے حکومتی اختیارات حاصل نہیں ہیں اور اسے کسی عورت کو طلاق دینے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ نائب امام کے حوالے سے خلاصہ مسائل تقلید کے ذیل میں مسئلہ نمبر 6 ملاحظہ فرمالیں۔مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں ہمارا رسالہ: ''شیعہ خواتین کی طلاق بذریعہ عدالت'' اور ہمارا مقالہ ''نائب امام اور حجت خدا؟'' جو صفحہ 55 پر گزر چکا ہے۔

☆☆☆

سوال: کیا ضروری ہے کہ نکاح اور نماز جنازہ مولوی پڑھائے؟

جواب: کوئی ضروری نہیں ہے۔نکاح کے صیغے کسی بھی زبان میں دولھا اور دلہن خود اس طرح پڑھ سکتے ہیں:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور صلوات پڑھنے کے بعد دولہا دلہن سے کہے: ''میں نے اتنے مہر پر تم سے نکاح کرلیا۔''
دلہن کہے: ''میں نے قبول کرلیا۔'' نکاح ہوگیا۔اس کے بعد دونوں اور سب حاضرین صلوات پڑھ لیں تا کہ صلوات کی برکت سب کے شامل حال ہوجائے۔

عربی میں پانچ بار، بارہ بار یا چودہ بار صیغے دہرانا ایک لغو اور بیہودہ ڈرامہ بازی ہے، جس کا مقصد یہ تاثر دینا ہوتا ہے کہ نکاح پڑھنا کوئی بہت مشکل راکٹ سائنس ہے جو صرف مولوی صاحبان کو آتی ہے۔

نماز جنازہ بھی بنیادی طور پر میت کے ولی نے پڑھانی ہوتی ہے۔مولوی صاحب اس کی اجازت سے ہی جنازہ پڑھاتے ہیں۔نماز جنازہ کا آدھے سے زیادہ حصہ ہر مومن کو پہلے ہی یاد ہوتا ہے۔پہلی تکبیر کے بعد تشہد، دوسری تکبیر کے بعد صلوات، تیسری تکبیر کے بعد سب مومنین و مومنات کے لیئے دعائے مغفرت، یہ تین چیزیں تو ہر مؤمن کو یاد ہوتی ہی ہیں۔چوتھی تکبیر کے بعد میت کے لیئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔اس دعا کو یاد کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔یاد نہ ہو تو دیکھ کر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔اس کے بعد پانچویں تکبیر اور نماز جنازہ ختم۔

☆☆☆

سوال: غیر مسلموں کی نجاست؟
جواب: کوئی انسان نجس العین نہیں ہے چاہے اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔قرآن مجید میں مشرکین اور منافقوں کی جس نجاست کا ذکر ہے وہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہے۔کفار کی جسمانی نجاست کے فتویٰ کے دلائل بہت ضعیف ہیں جب کہ ان کی طہارت کے دلائل بہت قوی ہیں۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسالہ ہائے توضیح

المسائل میں غیر مسلموں کو پیشاب، پاخانہ، کتے اور خنزیر کے ساتھ ایک فہرست میں ذکر کرنا بالکل غلط اور غیر انسانی فعل ہے۔

(مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں توضیح المسائل، مسئلہ نمبر 27، 28)

☆☆☆

سوال: تولیٰ اور تبریٰ کی اہمیت کیا ہے اور دور حاضر میں جبکہ امن برقرار رکھنا معاشرے کی اہم ضرورت ہے، تولیٰ اور تبریٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اگر تولیٰ اور تبریٰ کے معنی کو صحیح طرح سے سمجھ لیا جائے تو اس کی اہمیت بھی خود بخود واضح ہو جائے اور اس کا طریقہ بھی خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ یہ سوال خود اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ تولیٰ اور تبریٰ کے صحیح معنی واضح نہیں ہیں۔ تولیٰ کو انگریزی میں (Association) اور تبریٰ کو (Disassociation) کہا جاتا ہے۔ تبریٰ کے معنی کسی کو گالی گلوچ کرنے کے ہرگز نہیں ہیں۔ انسان جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کے دشمن سے نفرت کرتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کو پاکستان سے محبت ہے تو آپ کو پاکستان کے ہر دشمن اور مخالف سے نفرت ہوگی۔ محمد و آل محمد سے محبت، ان کے ساتھ فکری اور عملی وابستگی (Association) کا دوسرا نام تولیٰ ہے اور محمد و آل محمد کے دشمنوں کی فکر اور ان کی عملی سیرت سے بے تعلقی یعنی (Disassociation) کا نام تولیٰ ہے۔ جب ہم اپنے بچوں سے کہتے ہیں کہ بیٹا سکول میں اچھے بچوں سے دوستی کرنی ہے، گندے بچوں سے دوستی نہیں کرنی تو یہ درحقیقت تولیٰ اور تبریٰ ہے سکھایا جا رہا ہوتا ہے۔ اچھے بچوں کے ساتھ تولیٰ اور گندے بچوں سے تبریٰ۔ اب اس کے یعنی معنی ہرگز نہیں کہ بچہ سکول جا کر گندے بچوں کا نام لے لے کر انہیں گالیاں دینا اور لعنت کرنا شروع کر دے۔

پس محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت اور تعلیمات سے آگاہی حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی گزارنے کا نام تولیٰ ہے اور ان کے دشمنوں کی سیرت اور کردار سے دوری اختیار کرنے کا نام تبریٰ ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لیس من شیعتنا من قال بلسانه و خالفنا فی اعمالنا و آثارنا ولکن شیعتنا

من وافقنا بلسانه و قلبه و اتبع بآثارنا و عمل باعمالنا ، اولآئك من شیعتنا

ترجمہ: وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے جو زبان سے تو کہتا ہے کہ وہ ہمارا شیعہ ہے لیکن ہمارے اعمال اور آثار میں ہماری مخالفت کرتا ہے، بلکہ ہمارا شیعہ وہ ہے جو اپنی زبان اور دل سے ہمارے ساتھ موافقت کرتا ہو، ہمارے اعمال اور آثار کی اتباع کرتا ہو، ایسے لوگ ہمارے شیعہ ہیں۔ (بحارالانوار جلد 65 صفحہ 164)

نیز آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے: لیس من شیعتنا من یکون فی مصر یکون فیه آلاف و یکون فیه اورع منه

ترجمہ: وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے جو کسی ایسے شہر میں رہتا ہو جس کی آبادی ہزاروں میں ہو اور کوئی اور اس سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ (ایضاً)

☆☆☆

سوال: مسلمان مرد غیر مسلم عورت سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب: غیر مسلم کی تین اقسام ہیں: 1۔ مشرک 2۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ 3۔ غیر اہل کتاب

ان تین میں سے پہلی قسم سے تعلق رکھنے والی یعنی مشرک عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہے:

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ

ترجمہ: (اے مسلمانو!) مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لے آئیں ان سے نکاح نہ کرو، ایک مومنہ لونڈی یقیناً ایک آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے چاہے

وہ (آزاد مشرک عورت) تمہیں اچھی لگے، اور نہ ہی اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں،

اور یقیناً ایک مومن غلام ایک آزاد مشرک سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ تو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ (بقرہ: 221)

اس آیت میں مشرک عورت سے نکاح کی حرمت واضح الفاظ میں بیان ہوگئی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ مشرک سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اسے زمین و آسمان کا اور اپنا خالق و مالک اور رازق مانتے ہیں اور پھر عبادت اللہ کی بجائے کسی اور کی کرتے ہیں یا اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

دوسری قسم کی غیر مسلم عورتوں یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن مجید میں واضح الفاظ میں موجود ہے:

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

ترجمہ: آج تمہارے لیئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیئے حلال ہے۔ اور پاک دامن مسلمان عورتیں تم پر حلال ہیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں بھی تم پر حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم ان کے مہر انہیں ادا کردو۔ (مائدہ: 3)

غور طلب بات یہ ہے کہ پہلے کہا گیا کہ آج تمہارے لیئے طیبات یعنی پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں۔ پھر ان پاکیزہ اور طیب چیزوں کے کچھ نمونے بیان کیے گئے ہیں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی پاک دامن عورتوں کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے۔ اس آیت کی رو سے اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں طیبات کے زمرے میں آتی ہیں اور جس طرح پاک دامن مسلمان عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فقہاء کا یہ فتویٰ کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح دائمی جائز نہیں ہے، صریحاً اس آیت کے خلاف ہے۔ اہل کتاب کی نجاست کا فتویٰ بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ اس لیئے کہ جو اہل کتاب عورت اس آیت کی رو سے واضح طور پر طیبات کے زمرے میں آرہی ہے اس کے نجس ہونے کا فتویٰ واضح طور پر غلط ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز جواز روئے قرآن طیبات میں داخل ہو وہ نجس ہو۔

رہ جاتی ہیں تیسری قسم سے تعلق رکھنے والی غیر مسلم عورتیں۔ ان سے نکاح کے حلال ہونے کا واضح الفاظ میں ذکر بھی نہیں ہے اور ان سے نکاح کی حرمت پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ ان سے نکاح کے بارے میں قاعدہ حلیت نافذ ہوگا۔ قاعدہ حلیت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال ہے۔ چونکہ تیسری قسم کی غیر مسلم عورتوں کی حرمت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا ان سے نکاح جائز ہوگا۔

نکاح کے معاملہ میں سب سے اہم بات وہ ہے جو مشرکین سے نکاح کی حرمت کے ذیل میں بیان ہوئی ہے کہ :

أُولَآئِكَ يَدۡعُونَ إِلَى النَّارِ (یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں)

بنابریں آپ چاہے غیر مسلم عورت سے نکاح کریں یا مسلمان عورت سے، اگر آپ کو یقین یا قوی گمان ہو کہ جس عورت سے آپ نکاح کررہے ہیں وہ آپ کو یا آپ کی اولاد کو جہنم میں لے جانے کا سبب بن سکتی ہے تو اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا، چاہے بظاہر وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح خواتین کو بھی کسی سے نکاح کرنے سے پہلے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شخص سے وہ شادی کرنا چاہ رہی ہیں وہ ان کو یا ان کی اولاد کو جہنم کے راستے پر چلانے والا تو نہیں ہے۔

☆☆☆

سوال: کیا قادیانی عورت سے نکاح جائز ہے؟

جواب: اگر قادیانیوں کو غیر مسلم تسلیم بھی کرلیا جائے تو ان کی حیثیت اہل کتاب والی ہوگی۔ اس لیئے کہ اگر یہودی جو حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے وہ از روئے قرآن اہل کتاب ہیں، اور مسیحی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، وہ از روئے قرآن اہل کتاب ہیں، تو قادیانی جو سب آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو اللہ کی آخری کتاب مانتے ہیں، ان کو اہل کتاب کے زمرے سے کیسے خارج کیا جاسکتا ہے۔ بنابریں اگر قادیانیوں کو غیر مسلم مان بھی لیا جائے تو وہ اہل کتاب کے زمرے میں ضرور آئیں گے، بلکہ دوسرے اہل کتاب مذاہب کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہوں گے۔ اس طرح اہل کتاب ہونے کی وجہ سے قادیانی عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

☆☆☆

سوال: کیا خواتین کے لیئے پولیس یا فوج میں ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب: تقویٰ اور شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے خواتین کے لیئے کسی بھی شعبے میں ملازمت کرنا جائز ہے۔ جس ملازمت میں تقویٰ اور شرعی حدود کی پابندی ممکن نہ ہو یا بہت مشکل ہو وہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیئے جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

سوال: غیر شیعہ امام جماعت کی اقتداء میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

جواب: اگر غیر شیعہ امام جماعت دشمن اہل بیت نہ ہو اور اپنے مذہب کے مطابق عادل ہو تو اس کی اقتداء میں نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ ایک ساتھ نماز ادا کرنا یقیناً

محبت اور بھائی چارے کے فروغ، نفرتوں اور تعصّبات میں کمی، مسلم فرقوں کے ایک دوسرے کے قریب آنے میں بہت اہم کردار ادا کرسکتا ہے، اس سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

☆☆☆

دعا میں معصومین علیہم السلام سے توسل؟

بدقسمتی سے دور حاضر میں شیعہ خیر البریہ میں کچھ انحرافات کا سلسلہ زور پکڑ رہا ہے۔ایک طرف سے غلو اور نصیریت کے جراثیم پوری طاقت سے حملہ آور ہورہے ہیں تو دوسری طرف سے وہابیت کے جراثیم رینگ رینگ کر داخل ہورہے ہیں اور کچھ مومنین ومحبان اہل بیت ان جراثیموں سے متاثر بھی ہورہے ہیں۔ یہ شیطان کا ایک خطرناک پھندا ہے کہ وہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے توسل کے نام پر شرک کی کھائیوں میں پھینک دے یا توحید کے نام پر وہابیت کی تاریکی میں دھکیل دے۔ان حالات میں موحدانہ توسل کا شعور حاصل کرنا ہر مومن کے لیئے از حد ضروری ہے۔ جہاں تک توحید کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل واضح ہونی چاہیے کہ دعا مانگنا عبادت ہے اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی جائز ہے۔ ہماری زندگی موت، صحت بیماری، خوشحالی بدحالی، تنگی وسعت، عزت ذلت، نفع نقصان ، دنیا اور آخرت سب صرف ،صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔مولائے موحدین، امام المتقین امیر المومنین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کے نام اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

واخلص فی المسئلة لربك، فان بیدہ العطاء والحرمان

ترجمہ: دعا خالص اپنے رب سے مانگا کرو، کیونکہ عطا کرنا اور محروم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اسی طرح مناجات شعبانیہ میں آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ اس طرح مناجات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

بیدك ولا بید غیرك زیادتی و نقصی ونفعی و ضری ،الھی ان حرمتنی فمن ذالذی یرزقنی

ترجمہ: میری کمی اور بیشی، نفع اور ضرر صرف تیرے ہاتھ میں ہے، کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے،

اے میرے معبود! اگر تو مجھے محروم کردے تو کون مجھے عطا کرسکتا ہے۔

قرآنی آیات، معصومین کے ارشادات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور آشکار ہے کہ دینا اور نہ دینا صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مانگنا صرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مستقل دینے والا سمجھ کر اس سے مانگنا شرک ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے، خاص طور پر محمد وآل محمد سے توسل کرنا بالکل درست ہے۔ صرف درست ہی نہیں بلکہ پسندیدہ عمل ہے اور دعا کی قبولیت کے امکانات کو بہت بڑھا دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں آئمہ معصومین علیہم السلام سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ جامع احادیث شیعہ، شیعہ احادیث کا اب تک کا جامع ترین ذخیرہ ہے۔ اس کی جلد 15 تلاوت قرآن، دعا اور ذکر کے بارے میں احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے گیارہویں باب کا عنوان ہی یہ ہے: باب ان من توسل الی اللہ تبارك وتعالیٰ بمحمد وآلہ الطاھرین صلوات اللہ علیھم اجمعین استجاب لہ

ترجمہ: یہ باب اس بارے میں ہے کہ جو کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین سے توسل کرے گا اس کی دعا مستجاب ہوگی۔

اس باب میں 28 احادیث ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ہم ان سب کو بیان نہیں کرسکتے۔ صرف دو روایات کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

1۔ اس باب کی حدیث نمبر 19 میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا

کہ آپ افضل ہیں یا حضرت موسیٰ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: یہ بات مناسب نہیں ہے کہ انسان اپنی فضیلت بیان کرے لیکن میں تجھے بتا دوں کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اللہ سے اس طرح توبہ کی کہ یا اللہ! میں بحق محمد و آل محمد تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری خطا کو معاف فرما دے، تو اللہ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔ جب نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور انہیں کشتی کے غرق ہونے کا خوف ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! بحق محمد و آل محمد مجھے نجات عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی کہ یا اللہ! بحق محمد و آل محمد مجھے نجات عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے لیئے سردی اور سلامتی بنا دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جادو گروں کے سامنے خوف محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی کہ یا اللہ! بحق محمد و آل محمد مجھے امن وسکون عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! خوف زدہ نہ ہو، تم ہی سر بلند ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: اے یہودی! اگر موسیٰ علیہ السلام مجھے پالیں، اور پھر مجھ پر اور میری نبوت پر ایمان نہ لائیں تو ان کا ایمان انہیں کوئی فائدہ پہنچائے گا نہ ان کی نبوت اور جب میری ذریت سے مہدی کا ظہور ہوگا تو عیسی ابن مریم نازل ہو کر ان کی نصرت کریں گے اور ان کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔

2۔ اس باب کی حدیث 22 میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یوسف! رب العالمین آپ کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کس نے آپ کو سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت بنایا ہے؟ حضرت یوسف نے اپنا گال زمین پر رکھا اور پکار کر کہا: اے میرے رب! تو نے۔ جبرائیل علیہ السلام نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ کس نے آپ کو آپ کے بھائیوں سے بڑھ کر اپنے باپ کی نظروں میں محبوب بنایا؟ حضرت یوسف نے اپنا گال زمین پر رکھا اور پکار کر کہا: اے میرے رب! تو نے۔ جبرائیل علیہ السلام نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کس نے آپ کو کنوئیں سے نکالا جب کہ آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ آپ ہلاک ہو جائیں گے؟ حضرت یوسف نے اپنا گال زمین پر رکھا اور پکار کر کہا: اے

میرے رب! تو نے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سزا دی جب آپ نے اس کے سوا کسی اور سے مدد مانگی اور زندان میں آپ کی قید کی مدت کو طویل کر دیا، پھر جب وہ مدت پوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعا کی اجازت دی تو انہوں نے اپنا گال خاک پر رکھا اور کہا: یا اللہ! اگر میرے گناہوں نے تیری بارگاہ میں میرا چہرہ داغدار کر دیا ہے تو میں اپنے صالح باپ داداؤں حضرات ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے چہروں کے وسیلے سے تیری بارگاہ کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ تو اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں زندان سے رہائی دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا ہم بھی اس طرح سے دعا مانگ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم اس طرح دعا مانگا کرو: ''یا اللہ! اگر گناہوں نے تیری بارگاہ میں میرا چہرہ داغدار کر دیا ہے تو میں تیرے نبی رحمت، علی، فاطمہ، حسن، حسین اور آئمہ علیہم السلام کے چہروں کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں توجہ کرتا ہوں۔''

28 احادیث میں سے یہ دو احادیث اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیئے کافی ہیں کہ دعا میں محمد و آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین سے توسل کی کتنی برکت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا تعویذ تو ایک نا قابل تردید سائنسی ثبوت کی صورت اختیار کر چکا ہے جو ماسکو کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

جولائی 1951 میں روسی ماہرین آثار قدیمہ کو وادی قاف میں ایک ہی سائز کی لکڑی کی کچھ پرانی اور بوسیدہ تختیاں نظر آئیں۔ ان تختیوں کو دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی اور انہوں نے مزید تلاش کی تو انہیں کھدائی کرنے پر ایسی بہت سے تختیاں ملیں۔ ان تختیوں میں سے ایک تختی نے ان کو حیرت زدہ کر دیا جس کی لمبائی چودہ سینٹی میٹر اور چوڑائی دس سنٹی میٹر تھی جو بوسیدہ تختیوں میں بالکل صحیح وسالم حالت میں تھی۔ اس تختی پر کسی قدیم زبان کے کچھ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ سوویٹ یونین کی حکومت نے اس تختی پر لکھے الفاظ کے معنی معلوم کرنے کے لیئے قدیم زبانوں کے سات ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی۔ آٹھ ماہ کی محنت اور تحقیق کے بعد ان ماہرین نے یہ متفقہ رپورٹ دی کی لکڑی کی یہ تختی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں تبرک اور حفاظت کی غرض سے رکھی تھی۔ اس پر لکھی عبارت قدیم سامی

زبان میں تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان تھی ۔اس کا ترجمہ روسی زبان میں کیا گیا۔ روسی زبان سے اس کا ترجمہ برتانوی محقق این ایف میکس نے کیا جو مانچسٹر یونیورسٹی میں قدیم زبانوں کے پروفیسر تھے۔انگریزی میں ان کا ترجمہ ان الفاظ میں تھا:

O my God my helper ! Keep my hands with mercy, And with your holy bodies Mohamed ,Alia, Shabbar, shabbir, Fatma, They are all biggest and honourables, The world established for them, Help me by their names,you can reform to the rightg.

عربی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا: یا الھی ویا معینی برحمتك و کرمك ساعدنی ولاجل هذه النفوس المقدسه محمد، ایلیا، شبر، شبیر فاطمه،

هم جمیعهم عظماء ومکرمون، العالم قائم لاجلهم، ساعدنی بحق اسمائهم ، انت تستطیع ان توجهنی الی الطریق الصحیح ۔

اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہوگا: اے میرے معبود اور میرے مددگار! اپنی رحمت اور اپنے کرم سے میری مدد فرما، اور ان نفوس مقدسہ محمد، ایلیا، شبر، شبیر فاطمہ کے وسیلے سے، جو سب عظیم اور مکرم ہیں، اور عالم ان کی وجہ سے قائم ہے، ان کے ناموں کے وسیلے سے میری مدد فرما، تو ہی مجھے صحیح راستے کی طرف موڑ سکتا ہے۔

اس کی خبر جنوری 1953 میں ماسکو سے شائع ہونے والے ایک روسی ماہنامہ میں شائع ہوئی۔ 28 دسمبر 1953 میں لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ مرر(Mirror)، لندن سے شائع ہونے والے مجلہ سٹار نے جنوری 1954، مانچسٹر سے شائع ہونے مجلہ سن لائیٹ نے 23 جنوری 1954 کے شمارے میں، لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ مرر(Mirror) نے یکم فروری 1954 کے شمارے میں اور قاہرہ سے شائع ہونے والے مجلہ الھدیٰ نے 30 مارچ 1953 کی اشاعت میں اس کو شائع کیا۔ (تفسیر الفرقان۔، جلد 29 صفحہ 90 تا 94، پہلا ایڈیشن، مطبوعہ بیروت)

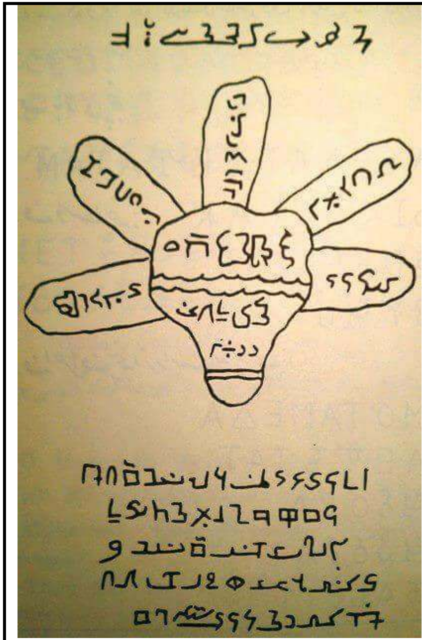
کشتی نوح کے تعویذ کی تصویر

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے تعویذ کی تصویر کا معجزہ

استاد محترم آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ جب تفسیر الفرقان کی یہ جلد بیروت کے ایک پریس میں زیر طباعت تھی تو اسرائیلی طیاروں نے بیروت پر حملہ کیا اور ان کی بمباری سے پریس ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ میں نے پریس کے مالک سے بات کی کہ میری کتاب کا مسودہ ڈھونڈ کر دو۔ اس نے کہا کہ دھات کی پلیٹیں پگھل گئیں، ہر چیز راکھ ہوگئی، آپ کا مسودہ کہاں سے ملے گا۔ میں نے اصرار کیا کہ ڈھونڈو، مل جائے گا۔ پھر مسودہ مل گیا، پریس کا مالک حیرت سے پاگل ہوا جا رہا تھا کہ آپ کو کیسے یقین تھا کہ آپ کا مسودہ محفوظ ہے اور واقعی اس کا محفوظ ہونا ایک معجزہ ہے۔ استاد محترم فرماتے ہیں کہ میں نے مسودہ میں اسے یہ تعویذ دکھایا اور کہا کہ مجھے یقین تھا کہ اس تعویذ کی برکت سے مسودہ محفوظ ہے۔

☆☆☆

دین ملافی سبیل اللہ فساد

ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں مذہب کے نام پر سیاست کرنے والی سیاسی جماعتیں موجود ہیں، جو اپنے آپ کو مذہبی جماعتیں کہتی ہیں اور ملک میں نظام مصطفیٰ، نظام خلافت، نظام ولایت اور نہ جانے کن کن نعروں سے اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ الحمدللہ ابھی تک عوام نے ان کی حمایت اور تائید نہیں کی اور یہ جماعتیں اسمبلیوں میں اکا دکا نشستیں حاصل کرنے سے زیادہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

علامہ اقبال کا ایک مشہور مصرع اکثر لوگ بیان کرتے اور سنتے ہیں: دین ملافی سبیل اللہ فساد

لیکن اس مصرع کا پورا پس منظر صرف بہت زیادہ تعلیم یافتہ حضرات ہی جانتے ہیں جو علامہ اقبال کے فارسی کلام سے مانوس ہیں۔ ہم یہاں علامہ اقبال کی پوری نظم کا اردو ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرتے ہیں تا کہ پاکستان کے عوام علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں مولوی صاحبان کا اصلی چہرہ دیکھ سکیں۔ یہ اشعار علامہ اقبال کی کتاب جاوید نامہ میں فلک عطارد کی سیر میں ترک رہنما سعید حلیم پاشا کی روح سے گفتگو کے ذیل میں موجود ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان اشعار میں کسی خاص فرقے کے ملّا کی بات نہیں ہو رہی، ملّا ملّا ہوتا ہے، جس بھی فرقے کا ہو۔ اشعار، ان کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں:

دین حق از کافری رسوا تر است　　زانکہ ملّا مومن کافر گر است

ترجمہ: دین حق، یعنی دین اسلام کفر سے زیادہ ذلیل اور رسوا ہو چکا ہے، اس لیئے کہ ملّا ایسا مومن ہے جو کافر کو تو مسلمان کر نہیں سکتا لیکن مسلمانوں کو کافر بنانے پر لگا ہوا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں کے ذریعے اپنا دین کفار کی بستیوں اور کافر اقوام کی طرف بھیجا تا کہ اللہ کے رسول کافروں کو کفر سے نکال کے اسلام کی طرف لے آئیں اور انہیں مسلمان بنا دیں۔ لیکن مولوی ایک ایسا مسلمان ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیئے خود کو نبی کا وارث تو کہتا ہے لیکن کام انبیاء کے کاموں کے بالکل برعکس کر رہا ہے۔ وہ کافروں کو مسلمان کرتے تھے اور یہ کافروں کو مسلمان کرنے کی بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے پر لگا ہوا ہے۔ فلاں بھی کافر، فلاں بھی کافر، فلاں بھی کافر، سب کافر صرف ملّا اور اس کی اندھی تقلید کرنے والے مسلمان۔

لوگوں کو کافر بنانے میں ملّا کے کردار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو مولویوں کی جہالت، کرپشن، بے دینی اور بے ایمانی اور بد دیانتی کو دیکھ کر اسلام سے متنفر ہو جائے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اسلام ہے تو ہمارا ایسے اسلام کو سلام ہے۔

از شگر فیہای آن قرآن فروش دیدہ ام روح الامین را در خروش

ترجمہ: یہ قرآن فروش ملّا گمراہی اور جہالت کی ایسی حیرت انگیز باتیں کرتا ہے جن پر میں نے روح الامین یعنی حضرت جبرئیل کو غم و غصے میں دیکھا ہے۔

تشریح: اللہ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے علماء کو بار بار سرزنش کی ہے کہ میری آیت کو دنیوی مفادات کی کم قیمت پر نہ بیچو۔ یعنی اپنے دنیوں مفادات کی خاطر اللہ کے پیغام کو چھپاؤ نہیں، بلکہ اللہ کا پیغام جس طرح ہے اسی طرح لوگوں تک پہنچاؤ۔ بنی اسرائیل کے علماء کی طرح، یہ مولوی قرآن کا مبلغ اور معلم نہیں بلکہ قرآن فروش ہے اور اپنے دنیوی یا فرقہ وارانہ مفادات کی خاطر قرآن مجید کی ایسی حیرت انگیز جاہلانہ اور گمراہانہ تاویلیں کرتا ہے کہ جس پر میں نے حضرت جبرئیل کو بہت سخت غم و غصے کی حالت میں دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت جبرئیل دیکھتے ہیں کہ جو قرآن وہ رسول اللہ کی طرف لے کر آتے تھے ملّا اس کی کیسی غلط تفسیر اور تشریح کر رہا ہے تو وہ غم و غصے سے جوش میں آجاتے ہیں۔

زانسوی گردوں دلش بیگانہ ای نزداوام الکتاب افسانہ ای

ترجمہ:اس کا دل آسمان کے اُس طرف کی دنیا سے بیگانہ اور نا آشنا ہے اور قرآن مجید اس کی نظر میں کہانی اور افسانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تشریح: دنیا کے دو حصے ہیں، ایک عالم شہود جو ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ عالم آسمان اور اس سے نیچے کی دنیا پر مشتمل ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ دوسرا عالم عالمِ غیب ہے، جو آسمان کے اُس پار ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن مولوی آسمان کے اس طرف کی دنیا یعنی عالم غیب سے بالکل بیگانہ اور نا آشنا ہے اور قرآن عالم غیب کے جن حقائق کو ہمارے لیئے بیان کرتا ہے مولوی کے نزدیک وہ ایک کہانی اور افسانے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی عالم غیب کے جن حقائق سے قرآن ہمیں آشنا کرتا ہے مولوی کی نظر میں وہ سب کہانی اور افسانہ ہے، مولوی ان پر کوئی ایمان نہیں رکھتا۔

والدین بچپن میں بچوں کو بہلانے کے لیئے مختلف قسم کی کہانیاں سناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ شہزادے اور پری کی کہانی کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ بچوں کو بہلانے کے لیئے وہ کہانیاں سناتے ہیں۔ علامہ اقبال اس شعر میں یہی کہہ رہے ہیں کہ مولوی لوگوں کو اللہ، رسول، جنت، جہنم اور جس چیز کے بارے میں بھی لوگوں کو بتاتا ہے اس کی حیثیت اس کی نظر میں انہیں کہانیوں جیسی ہوتی ہے جو ماں باپ بچوں کو سناتے ہیں۔ بالفاظ دیگر علامہ اقبال یہ فرما رہے ہیں کہ جس طرح ماں باپ خود ان کہانیوں پر ایمان نہیں رکھتے اور صرف بچوں کو بہلانے کے لیئے یہ کہانیاں انہیں سناتے ہیں بالکل اسی طرح مولوی جب اللہ، آخرت، جنت جہنم، رسالت و امامت وغیرہ کی باتیں بتاتا ہے تو وہ ان سب باتوں کو ایک کہانی سمجھ رہا ہوتا اور دل سے اس پر ہرگز ایمان نہیں رکھتا۔

بی نصیب از حکمت دین نبی آسمانش تیرہ از بی کوکبی

ترجمہ: یہ رسول اللہ کے دین کے علم و حکمت سے محروم اور بے نصیب ہے، اس کا آسمان ایک تاریک آسمان ہے

جس پر کوئی سورج چاند ستارے موجودنہیں ہیں۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لائے تھے وہ علم وحکمت کا دین ہے۔لیکن ملّا دین کی چند ظاہری باتوں کا علم رکھتا ہےلیکن اس دین کے علم وحکمت سے بالکل محروم اور بے نصیب ہے۔اس کے دل ودماغ ایک ایسے آسمان کی طرح ہیں جو بالکل تاریک ہے اس لیئے کہ اس پر دین نبوی کے علم وحکمت کی روشنی بکھیرنے والا کوئی سورج،کوئی چاند،اورکوئی ستارےنہیں ہیں۔

کم نگاہ وکور ذوق وہرزہ گرد ملت ازقال واقولش فرد فرد

ترجمہ: یہ کم نظر ہے،ذوق کے لحاظ سے اندھاہےاور ہرزہ سرائی اس کا کام ہے،اس کی باتوں کی وجہ سے
امت کا اتحاد پارہ پارہ ہوچکاہےاورامت فرد فرد ہوچکی ہے۔

تشریح: یہ مولوی کم نظر ہے،دورتک دیکھ نہیں سکتا،اس کی دورکی نظر کمزور ہے۔جہاں تک ذوق کا تعلق ہےتو یہ اندھاہے،کورذوق ہےاور جہاں تک اس کی باتوں کا تعلق ہےتو وہ ہرزہ سرائی کےسوا کچھ نہیں،علم ومعرفت اورعقل وشعور کی بات کرنا اس کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔اپنی اس کم نگاہی،کورذوقی اور ہرزہ سرائی کی وجہ سےاس نے امت کےاتحادکو پارہ پارہ کردیاہےاورامت کو فرد فرد کردیاہے۔

مکتب وملّا واسرارکتاب کورمادرزادونورآفتاب

ترجمہ: ملّا کا بنایاہوامدرسہ اورخود ملّا،اللہ کی کتاب قرآن مجید کےاسرار سے اتنا ہی تعلق رکھتے ہیں جیسا پیدائشی اندھےکا سورج کی روشنی سے ہوتاہے۔

تشریح: مولوی اورمولوی کے بنائے ہوئے مدرسے کا اللہ کی کتاب کے اسرارعلم وحکمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اگراس کا ان سے کوئی تعلق ہےتو وہ ایساہے جو

پیدائشی اندھے کا سورج کی روشنی سے ہوتا ہے۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص پیدائشی اندھا نہیں ہوتا لیکن عمر کے آخری حصے میں آنکھوں کی کسی بیماری کی وجہ سے اندھا ہوجا تا ہے۔لیکن اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورج کیا ہے، کیسا ہے، روشنی کیا ہوتی ہے کیسی ہوتی ہے اور تاریکی کیا ہوتی ہے؟ لیکن اگر کوئی شخص پیدائشی اندھا ہوتو وہ کبھی یہ جان ہی نہیں سکتا ہے کہ سورج کیا ہے اور کیسا ہے، روشنی کیا ہوتی ہے اور کیسی ہوتی ہے۔علامہ اقبال کہہ رہے ہیں کہ قرآن علم، حکمت اور ہدایت کی روشنی دینے والا سورج ہے لیکن ملّا اور اس کا مدرسہ اندھے ہیں، مادرزاد اندھے ہیں، ان کا قرآن کی روشنی سے وہی تعلق ہے جو مادرزاد اندھے کا سورج اور سورج کی روشنی سے ہوتا ہے۔سورج دوپہر کے وقت پوری آب وتاب چمک رہا ہوتا ہے لیکن اندھے کی دنیا میں اندھیرا ہوتا ہے۔بالکل اسی طرح قرآن سورج کی طرح اپنا نور بکھیر رہا ہے لیکن مولوی مادرزاد اندھے کی طرح قرآن کے نور سے استفادہ کرنے سے محروم ہے۔اس لیئے کہ اس کا قرآن پر وہ ایمان ہی نہیں ہے جس کی برکت سے انسان کو وہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی روشنی سے بہرہ مند ہو سکے۔

دین کافر فکر وتدبیر وجہاد دین ملا فی سبیل اللہ فساد

ترجمہ: کافر کا دین تو یہ ہے کہ وہ سوچتا ہے، منصوبہ بندی کرتا ہے اور کوشش اور جدوجہد کرتا ہے جب کہ ملّا کا دین فساد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تشریح: کافر کا طرز زندگی یہ ہے کہ وہ سوچتا ہے، غور وفکر کرتا ہے، اپنی منزل معین کرتا ہے، اپنے سامنے ایک ہدف اور مقصد رکھتا ہے، پھر اس منزل اور مقصد تک پہنچنے کی تدبیر یعنی منصوبہ بندی اور پلاننگ کرتا ہے اور پھر اس پلاننگ اور منصوبہ بندی کے مطابق کوشش اور جدوجہد میں لگ جاتا ہے۔اس کے برعکس ملّا کا دین فی سبیل اللہ فساد ہے۔

علامہ اقبال کے اس شعر میں ''دین'' اور ''فی سبیل اللہ'' کے الفاظ بہت ہی قابل توجہ ہیں۔دنیا کا کوئی شخص اپنا دین نہیں چھوڑتا۔لاکھوں میں سے

کوئی ایک فرد ہوتا ہے جو اپنا دین چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لیتا ہے۔ عام طور پر لوگ اپنا دین نہیں چھوڑتے۔ علامہ اقبال فرما رہے ہیں کہ ملّا کا دین فساد کرنا ہے، جس طرح لوگ اپنا دین نہیں چھوڑتے اسی طرح مولوی بھی فساد کرنا نہیں چھوڑ سکتا اس لیئے کہ فساد کرنا مولوی کا دین ہے۔ وہ اپنا دین کیوں چھوڑے گا؟

اسی طرح دیندار لوگ، جو بھی ان کا دین ہو، کوئی ایسے کام کرتے رہتے ہیں جو دین کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک مسلمان ہوسکتا ہے جھوٹ بولتا ہو، چوری کرتا ہو، شراب پیتا ہو۔ لیکن وہ ان سب کاموں کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، نیکی سمجھ کر نہیں کرتا۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کسی بھی وقت اسے احساس ہوجائے کہ وہ غلط کر رہا ہے اور وہ ان برے اعمال کو چھوڑ دے۔ لیکن جن کاموں کو وہ دینداری اور نیکی سمجھ کر کرتا ہے انہیں تو نہیں چھوڑے گا۔ بالکل اسی طرح مولوی جو فساد کرتا ہے وہ اسے نیکی سمجھ کر کرتا ہے، اسے فی سبیل اللہ سمجھ کر کرتا ہے، لہٰذا وہ اسے کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے یہ بات واضح کر دی کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ مولوی فتنہ وفساد چھوڑ دے گا تو وہ احمق ہے۔ مولوی فتنہ وفساد کو نیکی سمجھ کر انجام دیتا ہے، فی سبیل اللہ انجام دیتا ہے اور مولوی کا فتنہ وفساد مولوی کا دین ہے۔ وہ کبھی اپنے دین کو نہیں چھوڑے گا اور اگر مسلمانوں کو فتنہ وفساد سے پاک معاشرہ چاہیے تو ان کو مولوی سے جان چھڑانی ہوگی۔ جب تک مولوی ہے کافر کافر کا کھیل بھی رہے گا، حضرت جبرائیل کو غم وغصے کے جوش میں مبتلا کرنے والی حیرت انگیز گمراہی و جہالت پھیلانے والا کام بھی جاری رہے گا، مولوی کی کم نگاہی، کورذوقی اور ہرزہ سرائی بھی موجود رہے گی۔ جب تک مولوی موجود ہے مسلمان کبھی متحد اور یکجا نہیں ہوسکتے۔ اس لیئے کہ دین ملا فی سبیل اللہ فساد۔ مولوی کے فتنہ وفساد کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ آج مسلمانوں کے پاس اسلام اور مسلمان کی ایک ایسی تعریف تک موجود نہیں ہے جس پر سب مسلمان متفق ہوں۔

ملّا کے فساد کو سمجھنے کے لیئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ نے جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بھیجا اس کی برکت سے طویل عرصے تک باہم دشمنی اور جنگ وجدل رکھنے والے جاہل عرب قبائل آپس میں بھائی بھائی بن گئے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت یعنی دین اسلام کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ (آل عمران:103)

لیکن ملّا کے دین کو دیکھیے کہ اس نے فرقہ واریت، تنگ نظری، تعصب، نفرت اور دشمنی کا زہر گھول کر بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن کر دیا۔ یہ ہے فرق اللہ کے اسلام اور ملّا کے اسلام کا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ اقبال کا انتقال 1938 میں ہو گیا تھا۔ اس وقت علامہ اقبال نے مولویوں کا یہ فساد تو دیکھا ہی نہیں تھا جو آج پوری دنیا میں مولویوں نے پھیلایا ہوا ہے۔ اگر علامہ اقبال ملّا کا آج کا فساد دیکھتے تو اللہ جانے ان کی کیا حالت ہوتی اور وہ اسے کیسے بیان کرتے۔

آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان علامہ اقبال کے ان اشعار کے آئینے میں مولوی کا اصل چہرہ پہچانیں اور اس سے جان چھڑائیں۔

☆☆☆

مولوی سے جان چھڑانے کا طریقہ؟

سب سے پہلے اس بنیادی بات کو جان لینا ضروری ہے کہ اسلام میں مولوی نام کی کوئی چیز یا مولوی نام کا ادارہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اسلام عالم اور طالب علم کی بات کرتا ہے اور علم حاصل کرنے کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

الناس ثلاثہ: عالم ربانی ومتعلم علی سبیل النجاۃ وھمج رعاع، اتباع کل ناعق،

یمیلون مع کل ریح، لم یستضیئو بنور العلم ولم یلجئو الی رکن وثیق

ترجمہ: لوگوں کی تین اقسام ہیں: عالم ربانی، نجات کی راہ پر چلنے والا طالب علم اورعوام کا پست گروہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے چل پڑتا ہے، ہر ہوا کے ساتھ رخ بدلتا رہتا ہے، علم کے نور کی روشنی سے محروم ہوتا ہے اور کسی مضبوط سہارے کی پناہ میں نہیں ہوتا۔ (نہج البلاغہ: حکمت 147)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی کتاب کی ابتداء میں بھی بیان ہو چکا ہے:

لست احب ان اری الشاب منکم الاغادیا فی حالین: اما عالما او متعلما وان لم یفعل فرط

وان فرط ضیع وان ضیع اثم وان اثم دخل النار والذی بعث محمدا بالحق

ترجمہ: میں تم میں سے کسی جوان کے بارے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی ان دو حالتوں کے علاوہ کوئی اور حالت ہو: یا وہ عالم ہو یا طالب علم، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو کوتاہی کا مرتکب ہوگا، کوتاہی کا مرتکب ہوگا تو حقوق وفرائض کو ضائع کرے گا، حقوق وفرائض کو ضائع کرے گا تو گناہ گار ہوگا، گناہ گار ہوگا تو جہنم میں داخل ہوگا۔ قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔

(بحارالانوار، جلد 1، ابواب العلم، باب 1 حدیث 22)

حدیث ثقلین کے مطابق بھی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن اور اہل بیت کی تعلیمات کا علم حاصل کرے۔ اس لیئے کہ قرآن واہل بیت کی تعلیمات کا علم حاصل کیئے بغیر قرآن اور اہل بیت سے تمسک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چند احادیث جو پہلے بھی گزر چکی ہیں، ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کو یہاں دوبارہ نقل کرنا یقیناً مفید ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ما من مومن ذکر او انثیٰ حر او مملوك الا و لله علیه حق واجب ان یتعلم القرآن

ترجمہ: ہر مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس کے ذمہ اللہ کا واجب حق ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرے۔ (مستدرک الوسائل 233:4)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم یعرف الحق من القرآن لم یتنکب الفتن (بحارالانوار 242:2)

ترجمہ: جو حق کو قرآن کی روشنی میں نہیں پہچانے گا وہ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من لم یعرف امرنا من القرآن لم یتنکب الفتن (بحارالانوار 115:89)

ترجمہ: جو ہمارے امر کو قرآن کی روشنی میں نہیں پہچانے گا وہ فتنوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ینبغی للمومن ان لا یموت حتیٰ یتعلم القرآن اویکون فی تعلیمه (کافی 2؛607)

ترجمہ: مومن کو چاہیے کہ اسے موت نہ آئے یہاں تک کہ اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کر لی ہو یا قرآن کی تعلیم دینے میں مصروف ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کل شیئ مردود الیٰ کتاب الله والسنة، وکل شئ لا یوافق کتاب الله فهو زخرف

ترجمہ: ہر چیز کتاب وسنت کی طرف لوٹائی جائے گی، اور ہر چیز جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ ایک خوشنما جھوٹ ہے۔ (بحارالانوار 242:2)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ما اتاکم عنا من حدیث لا یصدقه کتاب الله فهو باطل

ترجمہ: تمہارے پاس ہماری طرف سے جو بھی حدیث آئے جو اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ (بحارالانوار 242:2)

مولوی سے جان چھڑانے کے لیئے ضروری ہے کہ ہر مومن، ہر مسلمان اپنی ضرورت کا علم دین قرآن وسنت کی روشنی میں حاصل کرے۔ یہاں پھر مولوی

صاحبان اوران کے اندھے مقلدین یہ کہیں گے کہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیئے بھی آپ مولوی کے ہی محتاج ہیں لہٰذا مولوی سے جان نہیں چھوٹ سکتی۔ان کے اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ علم عالم سے حاصل کیا جاتا ہے اور عالم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ۔ پھر جب ہم علم حاصل کرتے ہیں تو ہم دلیل کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں ،قرآن وحدیث کے ریفرنس سے علم حاصل کرتے ہیں ، کسی مولوی کی اندھادھند پیروی نہیں کرتے ۔عالم اور طالب علم کا رشتہ استاد اور شاگر کا رشتہ ہوتا ہے جو مولوی اور اندھے مقلد کے رشتے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

ماضی میں کچھ مسائل تھے جن کی وجہ سے عام مسلمان کے لیئے علم حاصل کرنا دشوار تھا۔ پرنٹنگ پریس نہیں ہوتے تھے تو کتب بھی نہیں ہوتی تھیں ۔ ہر کتاب کے چند قلمی نسخے ہوتے تھے جو خاص افراد کے پاس ہوتے تھے۔اس کے بعد پرنٹنگ پریس آ گیا اور کتابوں کی پرنٹنگ ہونے لگی ۔لیکن چونکہ کتابوں کے تراجم اردو زبان میں نہیں تھے لہٰذا عوام کی مجبوری تھی کہ وہ حصول علم کے لیئے بنیادی مآخذ سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اور جو کچھ مولوی صاحبان بتاتے تھے اسی سے کام چلانا ایک مجبوری تھا۔لیکن اب بہت سی بنیادی کتب کے تراجم ہو چکے ہیں اور اردو زبان میں بھی بہت سے کتب لکھی جا چکی ہیں ۔انٹرنیٹ پر بھی بہت سا معتبر علمی مواد موجود ہے۔لہٰذا پڑھے لکھے مومنین اور مومنات پر لازم ہے کہ مطالعہ کی عادت ڈالیں اور جہاں کوئی مشکل پیش آئے اور علمی رہنمائی کی ضرورت پیش آئے تو علماء سے اس طرح مدد اور رہنمائی لی جائے جیسے کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم کتاب سمجھنے کے لیئے اپنے پروفیسر سے مدد اور رہنمائی لیتے ہیں ۔ایک عالم کی تشریح سے مطمئن نہ ہوں تو دوسرے سے رہنمائی لیں ۔غیر معیاری تشریحات پر قناعت نہ کریں ۔ایک عالم کی رائے اور تشریح جان لینے کے بعد دوسرے اور تیسرے کی بات بھی سنیں ۔پھر جو بات زیادہ بہتر اور وزنی معلوم ہو اس کو اختیار کیا جائے ۔جیسا کہ قولِ احسن کی پیروی کے ضمن میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ مساجد میں نماز کے لیئے بھی ہر علاقے اور محلے کے لوگوں میں سے جو صاحب علم اور تقویٰ میں دوسروں سے بہتر ہوں وہ نماز کی امامت کرا دیا

کریں۔جس دن وہ موجود نہ ہوتو جوبھی مومنین موجود ہوں ان میں سے جوصاحب علم وتقویٰ میں بہتر ہووہ امامت کرادیا کریں۔اہل تشیع کی مساجد میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جس دن مولوی صاحب جماعت کے وقت موجود نہ ہوں اس دن نماز باجماعت نہیں ہوتی اورلوگ فرادیٰ نماز پڑھ لیتے ہیں۔حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ اس وقت مسجد میں موجود مومنین میں سے جوصاحب علم وتقویٰ میں دوسروں سے بہتر ہوں ان کی امامت میں نماز جماعت پڑھ لی جائے۔

اسی طرح سے نماز جنازہ اورنکاح پڑھنے کے معاملات کے لیئے بھی مولوی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔مومنین یہ سب کام خود کرسکتے ہیں۔ان کی تعلیم اورتربیت حاصل کرنا کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے۔آپ موٹر بائیک اور کار چلانا سیکھ سکتے ہیں تو یہ دونوں کام اس کی نسبت بہت آسان ہیں۔

اس بات کواچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان معاشرہ مولوی اور اندھے مقلدوں کا معاشرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ عالم اور طالب علموں کا معاشرہ ہونا چاہیے،استاداورشاگرد کا معاشرہ ہونا چاہیے۔یہی اسلام کا ہر مسلمان سے مطالبہ ہے۔اگرہم نے اپنی نسلوں کا،اپنے ملک کا اوراپنی دنیا کا مستقبل بہتر کرنا ہےتو ہمیں مولوی اورمولوی کی اندھادھند پیروی کوترک کرکے علم حاصل کرنے کی طرف آنا ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن وسنت کی روشنی میں دین کا علم حاصل کریں،دین کا علم حاصل کریں،دین کا علم حاصل کریں،اس کے بغیر مولوی سے جان نہیں چھوٹے گی۔جب تک مولوی سے جان نہیں چھوٹے گی ذلت،بدبختی اورپسماندگی سے جان نہیں چھوٹے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کا اورہم سب کا حامی وناصر ہو۔بحق محمد وآل محمد

والسلام علیکم وعلی جمیع عباد اللہ الصالحین ورحمت اللہ وبرکاتہ

☆☆☆